سیرۃ الصدیق رضی اللہ عنہ
از
حضرت مولانا محمد حبیب الرحمن خان صاحب شروانی
ادارہ اسلامیات، لاہور

سیرۃُ الصدّیق رضی اللّٰہ عنہ

تالیف: مولانا محمد حبیب الرحمٰن خان شیروانیؒ

سیرۃ الصدیقؓ

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جانشین
اول خلیفۂ راشد سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روح نواز
اور ایمان افروز داستانِ حیات

تالیف

حضرت مولانا محمد حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانیؒ
سابق ممبر مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند

ناشرین: اِدارۂ اِسلامیات ۱۹۰- انارکلی لاہور

اشاعت اول ـــــ اگست ۱۹۷۸ء

باہتمام ـــــ اشرف برادرز لاہور

ناشر ـــــ ادارہ اسلامیات لاہور

طباعت ـــــ نفیس پرنٹرز لاہور

کتابت ـــــ مشتاق احمد خوشنویس

قیمت ـــــ روپے

ملنے کے پتے

ادارہ اسلامیات ۱۹۰- انارکلی لاہور

دارالاشاعت اردو بازار کراچی نمبر ۱

ادارۃ المعارف، دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

مکتبہ دارالعلوم۔ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

فہرست مضامین

حرفِ آغاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

وآلہٖ واصحابہ الذین قاموا واقاموا علی الصراط المستقیم

عرصہ ہُوا کہ میرے مکرم دوست ضیاء الدین احمد صاحب نے فرمائش کی تھی کہ مَیں قرونِ اولیٰ[1] کے کسی بزرگ کے حالات طلباء مدرسۃ العلوم کے سامنے بیان کروں۔ مَیں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ کی ذاتِ گرامی کو انتخاب کیا جو باتفاق اہلِ سُنّت والجماعت افضل اُمّت ہیں اور جن کی برگزیدہ زندگی میں دین و دُنیا دونوں کی رہبری کے اعلےٰ اوصاف جمع تھے۔

اسی کے ساتھ اُن کے حالات و واقعات بُہت کم اہلِ دین کے پیشِ نظر ہیں۔ آج کل اہلِ اسلام جس افراط وتفریط میں مُبتلا ہیں اُس کا ایک مؤثر اور عُمدہ علاج یہ ہے کہ قرونِ اولیٰ کے بزرگوں کے واقعات

[1] قرونِ اُولیٰ: ابتداءِ اسلام کا زمانہ۔

کثرت سے شائع کئے جائیں تاکہ مسلمان ان کو پڑھیں اور سبق حاصل کریں۔
اُس دَور کے مسلمان خالص اسلامی تعلیم کا اعلےٰ نمونہ تھے۔ اُن کی زندگی ان
تمام بیرونی اثروں سے پاک صاف تھی جو بعد کو مسلمانوں کی زندگی پر مؤثر
ہوتے گئے اور جنہوں نے اُن کو رفتہ رفتہ صراطِ مستقیم سے دُور کر دیا
اسی دُوری کا نتیجہ وہ تباہی اور بربادی ہے جس میں ہم مبتلا ہیں۔ خلاصہ
یہ کہ قرونِ اولیٰ کے مسلمان بہترین مظہر اسلام تھے اور اُن کی اقتداء
و پیروی ہر مسلمان بلکہ ہر ایک انسان کو زندگی کی کش مکش میں ایک
کامل رہبر و ہادی کا کام دے سکتی ہے۔ اسی یقین و عقیدہ سے
مَیں نے یہ رسالہ لکھا ہے۔ خداوند تعالےٰ قبول فرمائے اور مسلمانوں
کو نفع بخشے۔ آمین

اس رسالہ کی تحریر سے پہلے عرصہ تک مَیں نے کتابوں کا مطالعہ
کیا۔ حالات انتخاب کئے۔ یہی وجہ ہے کہ فرمائش کی تعمیل میں اسقدر
تاخیر ہوئی لیکن تاخیر سے جہاں انتظار کی زحمت ہوئی وہاں یہ نفع بھی ہُوا کہ بعض
نایاب کتابیں طبع ہو کر آگئیں مثلاً طبقات ابن سعد نہایت معتمد و معتبر کتابوں سے
یہ رسالہ مرتب ہُوا ہے جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

جامع صحیح امام بخاری، سیرت ابن ہشام، طبقات ابن سعد، معارف
ابن قتیبہ، مروج الذہب مسعودی، نزہۃ الابرار[له] فی الاسامی

له یہ ایک نایاب قلمی نسخہ ہے جو میرے کتاب خانہ میں ہے۔

تاریخ الملوک والامم، امام ابن جریر طبری، کامل ابن اثیر۔
مناقب الاخیار امام وجیہ الدین عمر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب،
ابن عبد البر، الاصابۃ فی تمییز الصحابہ ابن حجر عسقلانی، تاریخ الخلفاء
سیوطی، ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی۔
جستہ جستہ باتیں، فتوح البلدان بلاذری اور العقد الفرید ابن عبد ربہ
اور خلاصۃ الوفا اور الریاض النضرہ محب الدین طبری سے بھی ماخوذ ہیں
ہیں۔ جغرافیہ کے متعلق معجم البلدان یاقوت حموی اور فتح الباری سے مدد
لی گئی ہے۔

مَیں نے کوشش کی ہے کہ واقعات صاف اور سیدھی عبارت میں
بیان کر دیئے جائیں اور وہ سادہ بیانی حتی الامکان ہاتھ سے نہ
جانے دی جائے جو قدماء مؤرخین کی روش تھی۔ عبارت آرائی سے
قصداً احتراز کیا گیا ہے۔ لہٰذا اگر اس رسالہ کی عبارت رُوکھی پھیکی معلوم ہو
تو قابلِ چشم پوشی ہے۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ ط

محمد حبیب الرحمٰن خاں

حبیب گنج ضلع علی گڑھ

۱۴ رجب المرجب ۱۳۳۱ھ یوم الجمعہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

باب اوّل

نام، نسب، لقب، والدین ایامِ جاہلیت میں عبدالکعبہ نام تھا بعد اسلام سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ تجویز فرمایا۔ صدیق و عتیق دونوں لقب ہیں۔ ابوبکر[لہ] کنیت۔ سب سے زیادہ شہرت کنیت نے حاصل کی نسب قریشی تیمی ہیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

عبداللہ بن ابی قحافہ عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب۔

چھٹی پُشت میں مرہ بن کعب پر پہنچ کر اُن کا نسب حضرت سرورِ عالم[صلعم] کے نسب سے مِل جاتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کے والد کا نام عثمان کنیت ابو قحافہ تھی۔

لہ بکر آپ کی اولاد میں کسی کا نام نہ تھا ۱۲ ⁘

سنہ ۸ھ میں فتح مکہ کے وقت نوے برس کی عمر میں اسلام لائے۔ سنہ ۱۴ھ میں بعہدِ خلافت فاروقی وفات پائی۔ والدہ کا نام سلمیٰ کنیت ام الخیر تھی۔ قریشی تیمی ہیں۔ اسلام سے مشرف ہوئیں۔

ولادت، ایامِ جاہلیت

حضرت ابوبکرؓ عام فیل[1] کے ڈھائی برس بعد پیدا ہوئے یعنی آغاز سن ہجری سے پچاس برس چھ مہینے پہلے۔ ایام[2] جاہلیت میں بھی قریش کے رؤسا میں سے تھے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ صحابہ[3] کرام میں دس آدمی ایسے تھے جو ایام جاہلیت اور عہدِ اسلام دونوں میں رئیس و سربرآوردہ مانے گئے۔ منجملہ ان کے ایک حضرت صدیقؓ ہیں قیام مکہ میں رہتا تھا۔ تجارت ذریعہ معاش و دولتمندی تھی سلسلہ تجارت میں شام اور یمن کے متعدد سفر کئے۔

پہلا سفر ۱۸ برس کی عمر میں کیا۔ حسنِ اخلاق ہمدردی وسعتِ معلومات دانشمندی اور معاملہ فہمی وہ اوصاف ہیں جن میں حضرت صدیق قبل اسلام میں ممتاز تھے۔ ان ہی صفات کی وجہ سے لوگ ان کے گرویدہ تھے۔ اہم معاملات میں مشورہ لیتے اور اُن کی رائے پر اعتماد کرتے۔ قبیلۂ قریش کی تاریخ، اسکی مختلف شاخوں اور خاندانوں کی قرابت ونسب کا جاننے والا ان کے عہد میں اُن سے زیادہ کوئی

[1] آنحضرتؐ کی بعثت سے چالیس برس پہلے حبش کے بادشاہ نے مکہ پر حملہ کیا تھا چونکہ ہاتھی اسکے ساتھ تھا اسلئے اسکا نام عام فیل اور حملہ کرنیوالوں کا نام اصحاب فیل مشہور ہوا۔

[2] عرب کا وہ زمانہ جو ظہور اسلام کے قبل تھا۔

[3] جو مسلمان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جمالِ مبارک کی زیارت سے مشرف ہوئے وہ صحابی کہلاتے ہیں۔ صحابہ جمع کا صیغہ ہے۔

نہ تھا۔ قبائل عرب صدیوں سے آزاد تھے اور اُن پر کوئی بادشاہ حکمراں نہ تھا قبیلوں کے سردار ہی معاملات کو طے کرتے تھے اور حکومت کے فرائض اور مختلف خدمتیں مختلف سرداروں کے سپرد ہوتی تھیں۔ قبیلۂ قریش کی خدمتِ اشناق[1] حضرت صدیق اکبرؓ کے متعلق تھی۔ جب کسی قبیلہ میں کوئی خون ہوجاتا تو اگر صدیق اکبر خون بہا کی ضمانت کردیتے تو مقبول ہوتی۔ دوسرے کی ضمانت قبول نہ کی جاتی۔ شعر کہنے پر پوری قدرت حاصل تھی۔ اسلام لائے تو شعر کہنا چھوڑ دیا اور پھر کبھی نہیں کہا۔ شراب زمانۂ جاہلیت میں بھی نہیں پی۔

اسلام

نزولِ وحی سے ایک سال پہلے سے حضرت ابوبکرؓ جناب سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے جاتے تھے۔ آغازِ وحی کے زمانہ میں بسلسلۂ تجارت یمن گئے ہوئے تھے جب واپس آئے تو قریش کے سردار ابوجہل، عتبہ، شیبہ وغیرہ ملنے گئے۔ اثناء گفتگو میں حضرت ابوبکر نے تازہ خبر دریافت کی تو کہا سب سے بڑی خبر یہ ہے کہ ابوطالب کا یتیم بچہ مدعی نبوت بنا ہے۔ اسکے انسداد کے متعلق ہم تمہارے آنے کے منتظر تھے۔ یہ سُنکر حضرت صدیق کے دل میں اشتیاق پیدا ہوا اور اعیان قریش کو خوش اسلوبی کے ساتھ رخصت کرکے خدمتِ مبارک میں حاضر ہوئے۔ بعثت کے متعلق سوال کیا اور اسی جلسہ میں قبول اسلام سے مشرف ہوئے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ میں نے جس شخص کے سامنے بھی اسلام پیش کیا اُسمیں ایک قسم کی جھجک اور تردد ضرور پائی مگر ابوبکر کہ جسوقت میں نے انکے سامنے اسلام پیش

[1] اس خدمت کا تعلق دیت اور خونبہا سے تھا جب کوئی کسی کو قتل کردیتا تھا تو قاتل سے جو مالی بدلہ لیاجاتا تھا اسکو دیت کہتے تھے۔ اس بدامنی و خون ریزی کے زمانہ میں ظاہر ہے کہ یہ صیغہ کسقدر اہم اور ذمہ داری کا تھا۔

کیا۔ انہوں نے بے جھجک قبول کر لیا۔ اسمیں اختلاف ہے کہ اول اسلام کون لایا بعض
نے کہا ہے حضرت علی مرتضیٰؓ بعض کا قول ہے حضرت ابوبکرؓ۔ قولِ فیصل یہ ہے کہ بالغ مردوں
میں حضرت ابوبکرؓ، لڑکوں میں حضرت علیؓ بیبیوں میں حضرت خدیجہؓ اور غلاموں میں حضرت
زیدؓ بن حارثہ سب سے اول اسلام لائے۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص وحی نازل ہونے کے
ساتویں روز دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے ان سے پہلے حضرت ابوبکر اور
حضرت علی دولتِ ایمان سے مالا مال ہو چکے تھے۔ ایمان لانے کے بعد حضرت
صدیق اکبر نے اپنی تمام قوت و قابلیت، سارا اثر کل مال و متاع جان اور اولاد
غرض جو کچھ اُن کے پاس تھا وہ سب اللہ اور اُسکے رسول کی رضا جوئی و اطاعت
میں وقف کر دیا اور قبول اسلام کے بعد اُن کی تمام زندگی اطاعت و استقامت
کی داستان ہے۔ قریش میں اُن کا جو اثر تھا اُس کو تم سُن چکے ہو اُسی اثر کا جلوہ
تھا کہ گروہ سابقون اولون[1] کے ممتاز فرد مثلاً حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ
حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اِن کے ذریعہ سے آنحضرتؐ کی
خدمت میں حاضر ہو کر اسلام سے فیضیاب ہوئے۔ مال ان غریبوں کی مدد میں صرف کیا
جو اسلام لا کر سنگ دل آقاؤں کی سختی کا نشانہ بن رہے تھے اُنیں سے بہت سوں کو حضرت ابوبکرؓ نے
خرید خرید کر آزاد کر دیا منجملہ انکے حضرت بلال بھی تھے ان کی داستان کیسی درد انگیز ہے۔
حضرت بلال کا آقا اُن کے مسلمان ہو جانیکی وجہ سے بہت ناراض تھا۔ جوشِ غضب
میں وہ عین دوپہر کے وقت تپتی ہوئی ریت پر لٹا سینے پر بھاری پتھر رکھدیتا

[1] سابقون اولون وہ صحابہ کرام جو واقعہ بدر ۲ھ تک ایمان لائے۔ ۱۲ ؎

اور کہتا جب تک لات[1] اور عزیٰ پر ایمان نہیں لائے گا اسی عذاب و مصیبت
میں مُبتلا رکھوں گا۔ مگر پتھر کے نیچے سے آواز آتی "اَحَدٌ اَحَدٌ" میرا معبود
وحدہٗ لاشریک ہے، وحدہٗ لاشریک، ایک روز حضرت ابوبکر نے یہ حالت
دیکھی تو رحم آیا اور خرید کر آزاد کر دیا۔

ابتداء اسلام میں تین برس تک حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے
تبلیغ اسلام خفیہ فرمائی تھی۔ اس زمانہ میں حضرت ابوبکر بھی پوشیدہ خدمتِ اسلام
کرتے تھے جب رسالت کے چوتھے سال یہ آیت نازل ہوئی:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ — تم کو جو حکم دیا جاتا ہے اُس کو علانیہ بیان کرو اور مشرکوں کی طرف سے منہ پھیر لو۔

تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کلمۂ حق کا اعلان شروع کیا اور شرک و جہل کی مذمت
علانیہ فرمانے لگے اس سے مشرکین عرب بھڑک اٹھے انکی بھڑک وحشی اور جنگجو عربوں کی
بھڑک تھی کیا کچھ نہ کر گذرے۔ کوئی ایذا اور کوئی تکلیف نہ تھی جو خدا کے حبیبؐ کو
نہ پہنچائی گئی ہو۔ ان مصیبتوں میں صدیق اکبر کا بھی حصہ تھا۔ ایک روز حرم کعبہ میں
مشرکوں کا مجمع ہے اور یہ تذکرہ کر رہے ہیں کہ ہمارے معبودوں کی مذمت اور توہین
نئے نبی نے کی ہے۔ ناگاہ حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم طواف کعبہ کیواسطے
داخل حرم ہوئے۔ آپ کو دیکھ کر مشرکوں کی آتشِ غضب بھڑکی اور ایک شخص
نے بڑھ کر کہا "اے شخص تو ہی ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے" ارشاد فرمایا
بیشک۔ یہ سُنکر تمام مجمع آپؐ سے لپٹ گیا ہنجانہ مارتے تھے اور کہتے تھے:

[1] لات اور عزیٰ عرب کے دو مشہور بُت تھے ۱۲ ؎

أَتَجْعَلُ الْآلِهَةَ إِلٰهًا وَّاحِدًا — کیا تو سب خداؤں کو ایک خدا کر دے گا۔

آخر آپؐ بے ہوش ہو کر گر گئے۔ کسی نے حضرت ابوبکرؓ سے جا کر کہا "اور ک حاجک" اپنے رفیق کی خبر لو۔ دوڑتے ہوئے آئے اور مجمع کفار میں گھس گئے کسی کو مارتے کسی کو ہٹاتے اور کہتے جاتے۔

وَيْلَكُمْ أَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا أَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ۔ — تم پر افسوس ہے کیا ایک شخص کو تم اس کہنے پر مارے ڈالتے ہو کہ میرا رب اللہ ہے اور حال یہ ہے کہ وہ خدا کی جانب سے روشن دلیل تمہارے پاس لایا ہے۔

یہ مداخلت مشرکوں کو سخت ناگوار ہوئی اور سب کے سب اُن پر جھپٹ پڑے اتنا مارا کہ سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا۔ عزیزوں نے آکر بچایا۔ یہ سن لو کہ حضرت صدیق پٹتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے :۔

تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔ — اے عزت و جلال والے تیری ذات بہت بابرکت ہے۔

حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ اس واردات کے بعد جب حضرت ابوبکر گھر پہنچے ہیں تو یہ حال تھا کہ سر پر جس جگہ ہاتھ لگتا وہیں سے بال الگ ہو جاتے واقعۂ ہذا کے ساتھ ایک اور واقعہ سنو جس سے عزم رسالت کی شان کا اندازہ کر سکو اور عیاں ہو جائے کہ عین تلاطم شدائد کے وقت حضرت سرور عالم صلعم کی خاطر مبارک کس قدر مطمئن تھی اور آپ کو اپنے رب کے فضل پر کس قدر بھروسہ تھا۔ صحیح بخاری میں حضرت خبابؓ سے روایت ہے کہ میں ایک روز رسول اللہ

صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ اس وقت کعبہ کے سائے میں ردائے مبارک سر کے نیچے رکھے لیٹے ہوئے تھے میں نے عرض کی یا رسول اللہ آپؐ ہماری مدد کے واسطے اللہ سے دعا نہیں کرتے یہ سنکر آپ اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ چہرۂ مبارک غصہ سے سُرخ ہو گیا۔ فرمایا اگلے لوگوں کا گوشت لوہے کے کنگھوں سے نوچ نوچ کر ہڈیوں سے الگ کیا گیا اس پر بھی وہ دین سے نہیں ہٹے۔ ان کے سر پر آرے چلائے گئے چیر کر بیچ میں سے دو کر دیئے تاہم دین پر قائم رہے[1]۔ اللہ اس دین کو ضرور کامیاب فرمائیگا اور نوبت یہ پہنچے گی کہ ایک سوار صنعاء[2] سے حضر موت تک جائیگا اور سوائے اللہ سے کسی سے نہ ڈرے گا۔

جب کفار کی سختیوں کا تحمل مسلمانوں سے نہ ہو سکا تو آپؐ نے فرمایا کہ حبشہ کو ہجرت کر جاؤ وہاں کا عیسائی بادشاہ عادل و رحمدل ہے اسکے زیر سایہ آدمیوں کو امن و آسائش کی نعمت حاصل ہوتی ہے چنانچہ دو مرتبہ مسلمان ہجرت کر کے ملک حبش کو گئے۔ ایک دفعہ گیارہ مرد اور چار بیبیاں دوبارہ اسّی سے زیادہ مرد اور بیبیاں خود سرور عالمؐ مکہ میں قیام فرما رہے۔ حضرت ابوبکر نے عرصۂ دراز تک سختیوں کی برداشت کی اور دامن حضوری کو نہ چھوڑا مگر آخر وہ بھی مجبور ہو گئے اور گھر بار کو چھوڑ کر براہِ یمن ملک حبش کی راہ لی۔ پانچ منزلیں طے کر کے برک الغماد[3] نامی مقام پر پہنچے تھے کہ قبیلۂ قارہ[4] کے رئیس ابن الدغنہ سے ملاقات ہوئی اس نے

---

[1] مدعا یہ کہ تم اتنی ہی تکلیفوں سے گھبرائے جاتے ہو [2] صنعاء و حضر موت یمن میں واقع ہیں۔ انکے درمیان فاصلہ ۲۱۶ میل ہے [3] یہ مقام یمن کی طرف مکہ سے پانچ منزل ہے۔ [4] قبیلۂ قارہ قریش کے قبیلۂ بنی زہرہ کا حلیف تھا اس کی تیراندازی ضرب المثل تھی

دیکھ کر حیرت سے پوچھا کہ کہاں جاتے ہو۔ صدیق اکبر نے جواب دیا کہ مجھکو میری قوم نے نکالدیا اب پردیس میں پھر کر اپنے رب کی عبادت کرونگا۔

ابن الدغنہ نے کہا تم سا آدمی جو بیکسوں کا مددگار، مصیبت زدوں کا ہمدرد، مہمان نواز راہِ حق کی مصیبتوں میں غمخوار ہو وہ نہ اپنے گھر سے نکل سکتا ہے اور نہ نکالا جا سکتا ہے میں تم کو پناہ دُونگا مکہ کو لوٹ چلو اور وطن میں اپنے رب کی عبادت کرو۔ چنانچہ حضرت ابوبکر ابن الدغنہ کے ساتھ واپس آئے شام کو ابن الدغنہ نے اشراف قریش کے مجمع میں جا کر کہا کہ تم ایسے شخص کو یہاں سے نکالتے ہو جو محتاجوں کا حامی مصیبت زدوں کا غمخوار اور راہِ حق کی مصیبتوں میں ہمدرد ہے۔ ابوبکر جیسے شخص کو نہ نکلنا چاہیئے اور نہ نکالا جانا۔ قریش نے ابن الدغنہ کی امان کو تسلیم کیا اور کہا کہ ابوبکر سے کہدو کہ اپنے رب کی عبادت گھر کے اندر کریں۔ گھر میں بیٹھ کر جو چاہیں پڑھیں۔ اعلانیہ نہ عبادت کریں نہ تلاوت ورنہ ہم کو خوف ہے کہ ہماری مستورات اور ہمارے نوجوان مُبتلائے فساد ہو جائیں گے۔

عرصہ تک حضرت ابوبکر نے اسکی پابندی کی آخر کار شوقِ دل نے مجبور کیا اور گھر کے باہر میدان میں ایک مسجد[1] بنا کر نماز و تلاوت میں معروف رہنے لگے۔ حضرت ابوبکر بیحد رقیق القلب تھے۔ تلاوت کلام مجید کے وقت زار زار روتے یہ عالم دیکھ کر قریش کی عورتوں اور نوجوانوں کا ہجوم ہو جاتا اور محوِ حیرت ہو کر پروانہ وار ایک دُوسرے پر گرتے۔ اشراف قریش یہ حالت دیکھ کر گھبرا اٹھے اور ابن الدغنہ کو بلا کر کہا کہ ابوبکر شرائط امن پر قائم نہیں رہے باہر مسجد میں بالاعلان نماز و

[1] یہ اسلام میں پہلی مسجد تھی ۱۲ ض

قرآن پڑھتے ہیں ہم کو اپنی عورتوں اور نوجوانوں کے گمراہ ہو جانیکا سخت اندیشہ ہے ان کو روکو ورنہ اپنی پناہ واپس لو۔ ہم تم سے بدعہدی نہیں کرتے۔ اسی کے ساتھ ابوبکر کو اعلانیہ نماز و قرآن پڑھنے کی اجازت بھی نہیں دے سکتے۔ ابن الدغنہ نے آکر حضرت ابوبکرؓ سے یہ ماجرا کہا تو اُنہوں نے جواب دیا:

اردّ الیک جوارک وارضیٰ بجوار اللہ — تمہاری پناہ تم کو مُبارک میں اپنے اللہ کی پناہ سے خُوش ہوں۔

یہ واقعہ تیرھویں سال نبوت کا ہے۔

ہجرت

نزول وحی کے بعد تیرہ برس تک حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں قیام فرمایا۔ صبر و تحمل اور عزم واستقلال کی جو شان ان تیرہ برس میں ذاتِ اقدس سے عیاں ہوئی وہ قیامت تک نوع انسانی کے واسطے شمع ہدایت کا کام دے گی۔ خیال کرو ایک ذات ظاہری اسباب حفاظت و مدافعت قطعی معدوم، خالق کا پیام مخلوق کو پہنچانے کی گراں بار ذمہ داری دوشِ مبارک پر۔ عرب سی سرکش جنگجو اور کینہ پرور قوم سے شرک و بُت پرستی پشتوں کے اخلاقی جرائم اور بدکاریاں (جن کا سرچشمہ جہالت سفاکی و خُودسری تھی) چھڑانے اور تصفیہ و تزکیہ کے بعد اُن کے دلوں کو نور عرفاں اور پاکیزگی اخلاق سے معمور کر دینے کی خدمت سپرد۔ اس پر کفارہ عرب کی اُن اذیتوں اور تکلیفوں کا تحمل جن کا ایک شمہ اُوپر بیان ہُوا۔ پھر خُدارا انصاف کرو کہ کیا یہ سب کچھ بدون صداقت اور حق کی قوت کے ہُوا؟ اگر ہُوا تو پھر دُنیا میں حق یا صداقت کوئی قوت نہیں جھوٹ اور دغا سے بھی سب کچھ ہو سکتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ مبعوث ہونے کے بعد تین برس تک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تبلیغِ رسالت خُفیہ فرمائی۔ اسی زمانہ میں اکابر صحابہ مثلاً حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف ایمان لائے۔ اس کے بعد اعلانِ تبلیغ کا حکم ہُوا تو آپ نے اعلانِ حق اس قوت و عزیمت کے ساتھ فرمایا کہ عرب کی پہاڑیاں اس کی صدا سے گُونج اٹھیں اور تیرہ سو برس گزر جانے پر بھی باوجود ہزاروں انقلابوں کے دُنیا کے تمام برّاعظموں میں وہ صدا گُونج رہی ہے اور کروڑوں نفوسِ انسانی کے دل اسکی طرف لگے ہوئے ہیں۔ جب اہلِ مکہ کی طرف سے حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم مایوس ہو گئے تو آپؐ نے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ جو میلے نواحِ مکہ میں ہوتے ان میں تشریف لے جاکر احکامِ الٰہی سناتے مدت تک مجمع بھی فیضیاب نہ ہُوئے۔ آخر ایک مرتبہ آپ مدینہ والوں کی جماعت میں تشریف لیگئے۔ اس گروہ نے پہلی ہی مرتبہ کلامِ الٰہی شوق اور توجّہ سے سُنا۔ دو تین سال کے عرصہ میں اہلِ مدینہ کے دل پوری طرح مسخر ہو گئے اور وہ بقعۂ پاک اسلام کا دارالامن بن گیا۔ ہجرت سے چار مہینے پہلے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو عام اجازت فرمائی کہ مدینہ کو ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ جوق در جوق صحابی دارالہجرت کو جانے لگے۔ حضرت عمرؓ نے بھی اسی زمانہ میں ہجرتؓ[1] کی۔ صدیق اکبرؓ نے چند مرتبہ قصد کیا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مرتبہ یہ کہکر منع فرمایا کہ خود مجھ کو حکمِ ہجرت کا انتظار ہے۔ حضرت ابوبکر نے فراستِ ایمانی سے اپنی رفاقت کا احساس کر کے اہتمام کے ساتھ دو طاقتور اونٹوں کی پرورش شروع کر دی۔ حضرت

---

[1] رضاءِ الٰہی کے واسطے ترکِ وطن۔ اس زمانے میں ہجرت فرض تھی۔ ۱۲ منہ

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ صُبح شام حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر تشریف لے جاتے ایک روز خلافِ عادت دوپہر کے وقت دھوپ کی تیزی میں تشریف لے گئے سر پر چادر لپٹی ہُوئی تھی اس وقت حضرت ابوبکرؓ اپنے بال بچوں میں بیٹھے ہوئے تھے کسی نے کہا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آ رہے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے سُنکر کہا! میرے باپ اور ماں اُن پر قربان ہوں یہ ناوقت کا آنا بے وجہ نہیں ہو سکتا۔ اسی عرصہ میں آپؐ دروازہ پر پہنچ گئے اوّل اجازت طلب فرمائی۔ بعد اجازت اندر تشریف لیگئے اور تخلیے کی فرمائش کی۔ حضرت صدیق نے کہا کہ کوئی غیر نہیں صرف میری ہی دو نوں لڑکیاں ہیں۔ یہ سُنکر آپؐ نے فرمایا کہ ابوبکر ہجرت کی اجازت آ گئی۔ اُنہوں نے بے ساختہ کہا:

وَالصَّحَابَةَ يَا رَسُولَ اللهِ — اور میری رفاقت یا رسول اللہ!

ارشاد فرمایا رفاقت کی بھی اجازت ہے۔ یہ سُنکر حضرت ابوبکر فرطِ مسرت سے رونے لگے۔ حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ اس روز میں نے جانا کہ آدمی جوشِ خوشی میں بھی روتا ہے اسی وقت حضرت ابوبکرؓ نے دونوں اُونٹ پیش کئے عرض کی کہ یہ اُونٹ آج ہی کیواسطے تیار کئے ہیں ایک سواری خاصہ کیواسطے پسند فرما لیجئے۔ آنحضرتؐ نے ایک اونٹ قیمتاً لے لیا۔ باقی جملہ انتظام بھی اسی وقت کئے گئے اور شب کا وقت روانگی کے واسطے مقرر ہُوا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ تمام جلیل القدر اصحاب ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے تھے۔ صرف حضرت علیؓ مرتضیٰ اور حضرت ابوبکرؓ باقی تھے حضرت علیؓ کو آپؐ نے اس غرض سے مکہ چھوڑا کہ جو امانتیں حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس تھیں وہ واپس دے کر مدینہ چلے آئیں۔ یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ باوجود تمام خصومت اور

عداوت کے کفارِ مکہ اپنی عزیز اور قیمتی چیزیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے پاس امانۃً رکھتے تھے اور اس کا باعث وہ اطمینان تھا جو آپ کی صداقت و امانت پر تھا۔ الغرض وقت معیّن پر حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلّم نے ہجرت فرمائی۔ حضرت ابوبکر ہمراہ تھے۔ مکّے سے روانہ ہو کر تین دن تک غارِ ثور میں قیام رہا جو مکّہ کے نواح میں ہے اسی رفاقت کا ذکر اس آیت پاک میں ہے۔

ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ۔ "دو میں کا دُوسرا جبکہ وہ دونوں غار میں تھے"

اور اسی غار میں آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکرؓ کی تسلی کے واسطے وہ کلام ارشاد فرمایا تھا جس کی عظمت و شان کے سامنے آج تک شدید سے شدید دشمن کا بھی سر خم ہے۔ یعنی

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا غمگین نہ ہو یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

یہ وہ موقع ہے کہ صرف آپؐ اور آپؐ کے رفیق غار کے اندر ہیں۔ کفارِ مکہ حالت غیظ و غضب میں سرگرم تلاش ہیں۔ تلاش کرتے کرتے دفعتًہ غار کے مُنہ پر آ کھڑے ہوتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے جو اُن کے قدم اپنے سر کے اُوپر دیکھے تو گھبرا گئے اور کہا:۔

اُدْرِكْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اے اللہ کے رسول ہم پکڑے گئے

آپؐ نے غایت اطمینان کے ساتھ فرمایا:

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا غمگین نہ ہو یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

روحی فداک یا رسول اللہ تین دن کے بعد اونٹوں پر سوار ہو کر سمندر کے قریب کی راہ سے مدینہ کو روانہ ہوئے۔ ایک اُونٹ پر حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت

ابوبکرؓ تھے۔ دوسرے پر عبداللہ بن ارقط راہ بر اور حضرت ابوبکرؓ کے غلام آزاد حضرت عامر بن فہیرہ۔ حضرت ابوبکرؓ کا سن اس وقت انچاس برس چھ مہینے کا تھا۔ ڈاڑھی اور سر کے بال بالکل سپید تھے۔ حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلّم کا سنِ مبارک ترپنؐ برس کا تھا مگر بال بالکل سیاہ تھے۔ قبول اسلام کے زمانے میں جو چالیس ہزار کا سرمایہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس تھا وہ خدمتِ اسلام میں صرف ہوتے ہوتے اب صرف پانچ ہزار رہ گیا تھا، ہجرت کے وقت وہ سب روپیہ اُنہوں نے ساتھ لے لیا۔ اہل و عیال کفار کے نرغے اور خُدائے ذوالجلال کی پناہ پر چھوڑ دیئے۔ ابوقحافہ نے جب اپنے بیٹے کی ہجرت کا حال سُنا تو گھبرائے ہُوئے آئے اور اپنی پوتی حضرت اسماءؓ سے پُوچھا کہ تیرا باپ ہجرت کر گیا اور سُنا ہے روپیہ بھی ساتھ لے گیا۔ انہوں نے یہ خیال کر کے کہ بوڑھے دادا کو زیادہ صدمہ نہ ہو کہا ابا یہ بات نہیں ہے وہ بہت کچھ چھوڑ گئے ہیں ابوقحافہ کا سن اسوقت تراسی برس کا تھا بینائی سے معذور تھے۔ حضرت اسماءؓ نے اس الماری میں جسمیں روپیہ رہتا تھا پتھر بھر کر کپڑا ڈالدیا اور دادا کا ہاتھ پکڑ کر کہا اس الماری میں دیکھو انہوں نے ہاتھ سے کپڑا ٹٹولا اور کہا خیر اتنا چھوڑ گیا ہے تو مضائقہ نہیں۔ صدیق اکبرؓ نے اپنے اہل و عیال کو کس بے کسی اور خطرہ کی حالت میں چھوڑا تھا اسکا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے۔ ہجرت کے بعد جب کفار اپنی ناکامی پر برافروختہ ہوئے تو ابوجہل معہ چند آدمیوں کے اُن کے گھر آیا اور حضرت اسماءؓ سے پوچھا تیرا باپ کہاں ہے؟ اُنہوں نے کہا مجھ کو معلوم نہیں اس پر طیش میں آکر اس شقی نے ایک تھپٹر اُنکے مُنہ پر اس زور سے مارا کہ کان سے آویزہ نکل کر دُور جا پڑا۔

۱۲ ربیع الاوّل کو حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم معہ اپنے رفیق کے مدینہ پہنچے دوپہر کا وقت تھا۔ اہلِ مدینہ نے چونکہ عام طور پر جمال مبارک نہیں دیکھا تھا اس لیے امتیاز نہ کر سکے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کونسے ہیں ادب مانع سوال تھا جب چہرۂ اقدس پر دھوپ آئی اور حضرت ابوبکرؓ نے اُٹھ کر چادر کا سایہ کیا اس وقت پہچانا۔

مہاجرین کا گروہ مدینہ طیبہ میں محض بے خانماں تھا۔ ٹھہرنے کا ٹھکانہ تو کسی کا بھی نہ تھا بہت سے بے سروسامان بھی تھے جن کے پاس سرمایہ تھا وہ بھی دم لینے کو اور جائے قیام کے محتاج تھے۔ اہلِ مدینہ نے جس حوصلہ اور محبت کے ساتھ اپنے مہمانوں کا خیر مقدم کیا وہ تاریخ کا مشہور واقعہ ہے۔ انہی خدمات کے صلہ میں انصار[1] کا برگزیدہ لقب پایا۔ رسول اللہ صلعم نے مدینہ پہنچنے کے بعد اپنے اصحاب میں مواخاۃ کا سلسلہ قائم کیا۔ یعنی ایک کو دُوسرے کا بھائی بنا دیا۔ یہ بھائی حقیقی بھائیوں سے بھی بڑھ کر ایک دوسرے کے ہمدرد اور رفیق بن گئے۔

ایک انصاریؓ جب اپنے بھائی مہاجر کو عقد مواخاۃ کے بعد گھر لیگئے تو ان کو اپنے تمام مال و جائداد کا جائزہ دیا اور کہا کہ اس میں سے نصف تمہارا ہے۔ میری دو بیویاں ہیں ایک کو طلاق دیتا ہوں بعد عدت تم اس سے نکاح کر لینا۔ ان کے مہاجر بھائی نے کہا تمہارا مال و جائداد اور بیویاں تم کو مبارک مجھ کو ضرورت نہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کی مواخاۃ حضرت خارجہ بن زید انصاری سے قائم فرمائی گئی تھی اس لیے حضرت ابوبکرؓ نے سُنح[2] میں قیام کیا۔

---

[1] انصار مدینہ کے باشندے، مہاجر جو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے ۱۲

[2] سُنح مدینہ کے ایک محلہ کا نام تھا ۱۲ ؛

ہجرت سے وفاتِ آنحضرت صلعم تک

مدینہ پہنچ کر سات مہینے تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ابوایوب انصاریؓ کے مکان پر قیام فرمایا۔ پھر ایک موقع پر دس اشرفیوں سے خرید کر مسجد نبویؐ تعمیر کرائی۔ یہ اشرفیاں حضرت ابوبکرؓ سے لیکر دی گئیں۔ جو صحابۂ کرام مکہ سے ہجرت کر کے آئے تھے اُن کے واسطے مسجد کے گرد مکانات تجویز کئے گئے۔ اسی سلسلہ میں حضرت ابوبکرؓ کا مکان بھی مسجد کے متصل بنا جس کی ایک کھڑکی احاطۂ مسجد کے اندر تھی۔ بناء مسجد نبویؐ کے زمانہ میں آنحضرتؐ نے مکہ میں آدمی بھیج کر اہل و عیال کو طلب فرمایا۔ اسی قافلہ میں حضرت ابوبکرؓ کے اہل و عیال مدینہ پہنچے۔ حضرت صدیق کے بال بچے چندے بمقام سُنح رہے۔ جب مسجد کے پاس مکان تیار ہو گیا تو اس میں آ گئے۔ یہ مکان کچی اینٹ کے تھے۔ ٹٹیوں کو مٹی سے لھیس کر علیحدہ علیحدہ حجرے بنا دیئے تھے۔ چھت کھجور کی لکڑی اور پتوں سے پاٹی جاتی تھی اس قدر بلند ہوتی تھی کہ آدمی ہاتھ اُٹھاتا تو چھت سے جا لگتا۔

ہجرت سے آغاز خلافت صدیقی تک دس برس کا زمانہ سیرۃ نبویؐ کا زمانہ ہے۔ اگر اس عہد کے کُل واقعات مفصّل لکھے جائیں تو ایک جزو اعظم سیرۃ رسالت کا بیان کرنا ہوگا۔ جو اس رسالہ کا موضوع نہیں۔ اگر بالکل چھوڑ دیئے جائیں تو سیرت صدیقی کا ایک عظیم الشان حصہ ترک ہوتا ہے اسلئے میں بھی وہی مسلک اختیار کرتا ہوں جو علامہ شبلی نے الفاروق میں اختیار کیا ہے یعنی واقعات کا مجمل بیان اور اُنکے ضمن میں حالات صدیقی کا خصوصیت سے اظہار۔

غزوۂ بدر

اُوپر کے بیانات سے فی الجملہ اندازہ اُن مصائب اور تکالیف کا ہوتا ہے

جو حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو مشرکین مکہ کے ہاتھ سے پہنچی ۔ نیز
اس شان رضا و تسلیم کا جو ذات اقدس اور مسلمانوں کی جانب سے عیاں ہوئی ۔ اس زمانہ
میں کفار نے اپنی تمام کوشش اذیت اور تکلیف پہنچانے میں صرف کی تھی ۔ مدینہ پہنچنے
کے بعد انہوں نے نورِ اسلام کو آبِ شمشیر سے بجھانا چاہا اس لیے آنحضرتؐ نے ایمان و
اسلام کا اظہار فرمایا اور قیامِ مدینہ میں غزوات کا ایک سلسلہ جاری رہا ۔ ان تمام
غزووں میں بدر کا غزوہ افضل و اشرف ہے اور جو حضرات اس غزوے میں
شریک تھے وہ تمام مسلمانوں سے درجہ میں بڑھ کر ہیں ۔ بدر ساحلِ سمندر کی جانب
مدینہ سے سات منزل دُور ایک کنواں تھا ۔ ہر سال تین دن وہاں میلہ لگتا تھا ۔ یہ
غزوہ چونکہ اس موقعہ پر ہُوا لہٰذا بدر کے نام سے مشہور ہے ۔ ۲ھ میں مشرکین مکہ
نے ایک بڑی جمعیت فراہم کی جس میں قریش کے تمام سردار اور چیدہ آدمی شریک تھے
اور حضرت سرورِ عالمؐ پر حملہ کرنے کے واسطے مدینہ کا قصد کیا ۔ آپؐ کو جب کفار
کے ارادہ کا حال معلوم ہُوا تو آپؐ بھی مُسلمانوں کی فوج لیکر روانہ ہُوئے اور بدر
پہنچ کر مقام فرمایا ۔ مُسلمانوں کے لشکر کی تعداد تین سو تیرہ تھی ان میں ستر مہاجرین تھے ۔
دو سو چھبیس انصار ۔ تمام لشکر میں ستر اونٹ اور تین گھوڑے تھے جن پر باری باری سے
مجاہدین سوار ہوتے ۔ حضرت سرورِ عالمؐ اور حضرت علی مرتضیٰؓ اور حضرت مرثد غنویؓ
کی سواری میں ایک اُونٹ تھا ۔

کفار کی جمعیت ایک ہزار تھی جن میں سو سوار تھے ۔ میدانِ بدر میں جب آپؐ نے
لشکرِ اسلام کی صفیں ترتیب دیں اور مسلمانوں کی قلت بے سروسامانی اور کفار کی کثرت و
شوکت دیکھی تو بارگاہِ الٰہی میں سربسجود ہوئے اور غایت خضوع و خشوع سے دُعا فرمائی :

اللّٰھم انجزلی ما وعدتنی اللّٰھمّ ان
تُھلکْ ھٰذہ العصابة من اھل
الاسلام لا تعبد فی الارض ۔

اے اللہ تیرا جو وعدہ مجھ سے تھا وہ پُورا فرما
اے اللہ اگر تو اس گروہ اہلِ اسلام کو ہلاک کر دیگا
تو پھر سطحِ زمین پر تیری عبادت نہ ہو گی ۔

عالم یہ تھا کہ آپؐ دُعا میں مصروف تھے اور صدیق اکبرؓ رداءِ مبارک کو آپ کے شانوں پر
اٹھائے ہُوئے تھے آخر دُعا درجہ اجابت کو پہنچی اور حضرت ابو بکرؓ نے عرض کی :

کفاکْ یا نبی اللہ بابی انت و امی
فاشدتکْ و ربکْ فانہ
سینجزلکْ وعدکْ

اے اللہ کے نبی! تم پر میرے باپ اور ماں فدا ہوں
بارگاہِ الٰہی میں آپکی مناجات کامیاب ہوئی جو آپ سے
وعدہ تھا وہ عنقریب پُورا فرمائے گا ۔

اس پر حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے دُعا ختم فرمادی اور یہ کہتے
ہُوئے میدان میں تشریف لائے :

سَیُھْزَمُ الجمعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۔

جماعت کفار کو عنقریب شکست دی جائیگی اور
وہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے ۔

اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے آیۂ پاک میں ۔

اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّکُمْ فَاسْتَجَابَ
لَکُمْ اَنِّیْ مُمِدُّکُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ
الْمَلٰئِکَةِ مُرْدِفِیْنَ ۔

یاد کرو اس دن کو جب کہ تم فریاد کرنے
لگے تھے اپنے رب سے پس اس نے قبول فرمائی
تمہاری دُعا کہ میں تم کو مدد دوں گا ہزار
فرشتوں سے جو لگاتار آنے والے ہوں گے ۔

صحابہ کرام نے ایک چھوٹا سا سائبان حضرت سرورِ عالمؐ کی نشست کیواسطے میدانِ
جنگ کے کنارے پر بنادیا تھا اس میں آپؐ تشریف فرما تھے اور حضرت ابو بکرؓ

شمشیر برہنہ لیے حفاظت پر کمربستہ۔ معرکۂ کارزار گرم ہُوا اور آپؐ نے بذاتِ خاص کُفار پر حملہ فرمایا تو سردار میمنہ حضرت ابوبکرؓ تھے اور سردار میسرہ حضرت علی مرتضٰی۔ صدیق اکبرؓ کے بیٹے عبدالرحمٰن اس وقت تک کافر تھے اور لشکرِ مشرکین میں شامل، حضرت صدیقؓ نے انکو دیکھا تو طیش میں آکر للکارا اور کہا:

اَیْنَ مَالِیْ یَا خَبِیْثُ — او پلید میرے حقوق کیا ہوئے۔

اُنہوں نے جواب دیا:

لم یبق غیر شکۃ و یعبوب وصارم — صرف رستہ و تیز و سمند تیز گام باقی ہے اور

یقتل ضلال الشّیب — گمراہی پیری کی قاتل تلوار

اسلام لانیکے بعد ایک بار حضرت عبدالرحمٰن نے اپنے والد سے کہا کہ غزوۂ بدر میں ایک موقعہ پر آپ میری زد میں آگئے تھے لیکن میں نے بچادیا۔ یہ سُنکر کہا کہ تو میری زد میں آجاتا تو میں کبھی نہ چھوڑتا۔ آخر کار مُسلمانوں کو فتح اور مشرکوں کو شکست نصیب ہوئی صنادید[لہ] کُفار اس معرکہ میں قتل ہُوئے مثلاً ابوجہل۔ عتبہ۔ شیبہ۔

غزوہ اُحُد بماہ رمضان ۳ھ بروز شنبہ

غزوۂ بدر کے ایک سال بعد مشرکین مکہ ابوسفیان کے پاس جمع ہوکر گئے اور اپنے مقتول اعزہ کے انتقام میں مدد چاہی۔ ابوسفیان نے مقتولینِ بدر کے انتقام کا اہتمام کیا۔ مالی مدد دی۔ قبائل میں نقیب بھیجے کہ جوش دلا کر حضرت سرورِ عالمؐ کے مقابلہ پر آمادہ کریں۔ الغرض تین ہزار پُرجوش مشرکوں کا لشکر لے کر ابوسفیان روانہ ہُوا۔ عورتیں بھی ساتھ تھیں تاکہ مردوں کو غیرت دلا کر بھاگنے سے روکے رہیں۔ مدینہ کے قریب احُد نامی ایک پہاڑ ہے یہ غزوہ اس پہاڑ پر ہوا تھا اس لیے

لہ۔ بڑے سردار۔ ۱۲۔

غزوۂ احد کے نام سے مشہور ہے۔ آنحضرتؐ حملۂ کفار کی خبر سُن کر مع ایک ہزار مُسلمانوں کے مدینہ سے روانہ ہُوئے۔ راستہ میں عبداللہ بن ابی سرگروہ منافقین کی دراندازی سے لشکرِ اسلام میں تفرقہ پڑگیا۔ ایک ثلث آدمی منافق مذکور کے ساتھ واپس چلے گئے اور مُسلمانوں کی جمعیت کم ہوکر سات سو رہ گئی۔ میدانِ احد میں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہُوا مُسلمانوں کی پُشت پر جو راستہ تھا اس پر حضرت سرورِ عالمؐ نے تیراندازوں کا ایک دستہ متعین فرماکر ہدایت کی کہ بدون حکم اپنی جگہ سے کسی حالت میں جنبش نہ کریں۔ مقابلہ شروع ہُوا مشرکین کی عورتیں صفوں کی پُشت پہ ڈھول بجا بجا کر جوش انگیز اشعار گاتی جاتی تھیں۔ بڑے زور کا رَن پڑا مُسلمانوں کے حملہائے مردانہ نے لشکر کفار کی صفیں اُلٹ دیں اور جمعیت کفر میں تفرقہ ڈالدیا۔ تیراندازوں کے دستہ نے دشمنوں کی ہزیمت دیکھی تو اپنی جگہ چھوڑ کر مشرکوں کے خیمے لُوٹنے لگے اس سے مُسلمانوں کی فوج کا پیچھا کُھل گیا۔ اسی عرصہ میں کسی نے مشہور کردیا کہ رسولؐ اللہ مقتول ہوگئے۔ کفار نے اس موقعہ کو غنیمت خیال کرکے اپنی جمعیت پھر قائم کی اور بڑے زور کا حملہ کرکے مُسلمانوں کے لشکر اندر گھس آئے۔ لشکرِ اسلام میں تفرقہ شدید پڑگیا۔ کافروں کی ایک جماعت خود آنحضرتؐ کے پاس پہنچی ایک نے لبِ مُبارک پر پتھر مارا جس کے صدمے سے ہونٹ شق ہوکر ایک دانتِ مبارک ٹوٹ گیا۔ دوسرے نے پیشانی اقدس پر، تیسرے نے چہرۂ منوّر پر۔ ان متواتر زخموں کی وجہ سے چہرۂ مبارک پر خون بکثرت بہنے لگا۔ آپ خوُن پونچھتے اور فرماتے:

کیف یفلح قوم خضبوا وجہ نبیھم — وہ قوم کسطرح فلاح پائیگی جس نے اپنے نبی کا چہرہ خُون سے

وھو یدعوھم الی ربھم۔ — رنگین کردیا حالانکہ وہ ان کو انکے رب کیطرف بلاتا ہے۔

اسی حالت میں کفار نے ریلا دیا اور آپؐ زخموں کے صدمہ سے بے ہوش ہو کر ایک غار میں گر گئے جس میں مسلمان شہداء کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ جب جمالِ مبارک نگاہ سے دُور ہو گیا تو مسلمانوں کی پریشانی و آشفتگی کی انتہا نہ رہی اور فرطِ اضطراب میں ہر طرف پھرنے لگے۔ بالآخر سنبھلے اس مقام پر آئے جہاں آپؐ تھے۔ مشہور محدث حاکم کا قول ہے کہ سب سے اوّل اس موقعہ پر پہنچ کر حضرت ابوبکرؓ نے حضرت سرورِ عالمؐ کو پہچانا۔ حضرت علیؓ نے دستِ مبارک پکڑا اور حضرت طلحہؓ نے سہارا دیا اور آپؐ اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ خود کی جو کڑیاں پتھروں کے صدمہ سے چہرۂ اقدس میں گھُس گئی تھیں ان کو حضرت ابو عبیدہؓ نے دانتوں سے پکڑ پکڑ کر نکالا جھٹکے صدمہ سے خود اُن کے دو دانت ٹوٹ گئے۔ مالکؓ بن سنان نے چہرۂ مبارک سے خون صاف کیا اس وقت صحابۂ کرام نے بیتاب ہو کر عرض کی کہ یا رسول اللہ کفار کے حق میں بددُعا کیجئے۔ فرمایا کہ میں بددُعا کے واسطے نہیں بھیجا گیا اور دعا فرمائی" اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے وہ سمجھتے نہیں" اسی عرصہ میں کفار کی ایک جماعت پھر آپؐ کی طرف بڑھی حضرت زیادؓ بن سکن نے پانچ انصار کو ساتھ لیکر جوانمردی سے روکا اور مع رفقاء اسی موقع پر شہید ہوئے۔ جب زیادہ زخموں سے چُور ہو کر گرے تو حضرت سرورِ عالمؐ نے ارشاد فرمایا کہ اُن کو اٹھا کر میرے پاس لاؤ۔ آئے تو پائے مبارک پر ان کا سر رکھ لیا اور اس جانثار نے اس حالت میں جان دی کہ رخسارہ قدمِ مبارک پر رکھا ہوا تھا۔ رضی اللہ عنہ۔ حضرت ابودجانہؓ سپر بنکر حضرت سرورِ عالمؐ پر جُھک گئے تھے اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص آپؐ کے پاس کھڑے ہوئے کفار پر تیر برسا رہے تھے۔ خلاصہ یہ کہ اس کوشش اور

جانفشانی سے کفار کو مسلمانوں نے ذاتِ گرامی کے حملوں سے روکا۔ اسی وقفہ میں باقی مسلمانوں نے سنبھل کر جمعیت پھر قائم کی اور کفار پر حملہ آور ہوئے۔ سرورِ عالمؐ درّہ کوہ کے اُوپر تشریف لائے۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ ہمراہ تھے۔ یہاں خالد بن ولید نے اپنے سواروں کی جمعیت سے آپؐ پر حملہ کرنا چاہا۔ آپؐ نے حضرت عمرؓ کو حکم دیا اور اُنہوں نے کفار کو مار ہٹایا۔ جب مشرکین نے دیکھا کہ آپؐ حیات ہیں اور مسلمان خدمت میں کمربستہ و مستعد تو ان کے حوصلے پست ہو گئے اور میدان چھوڑ کر بھاگے۔ حضرت حمزہؓ عم رسول اسی غزوہ میں شہید ہوئے۔ آغازِ معرکہ میں حضرت ابوبکر کے بیٹے عبدالرحمٰن نے میدان میں آکر اپنے مقابلہ کے لیے حریف طلب کیا۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ خود ان کے مقابلہ پر آمادہ ہوئے۔ تلوار میان سے نکالی اور آپ سے میدان میں جانے کی اجازت طلب کی۔ آپؐ نے فرمایا:

شِمْ سَيْفَكَ وَامْتِعْنَا بِكَ — تلوار میان میں کرو اور ہمکو اپنی ذات سے متمتع ہونے دو

بعد ہزیمت کفار ستر سپاہی لشکر اسلام ان کے تعاقب میں مامور ہوئے منجملہ اُن کے حضرت ابوبکر بھی تھے۔

غزوۂ خندق شوال ۵ھ

بدر اور احد کی ناکامی و ہزیمت کے بعد کفارِ مکہ میں تو حملہ آوری کی ہمت نہ رہی تھی مگر اسی زمانے میں ایک اور دُشمن اسلام پیدا ہو گیا تھا۔ یعنی یہود، مدینہ اور نواحِ مدینہ میں یہودی کثرت سے آباد و آسودہ تھے۔ حضرت سرورِ عالمؐ اور دینِ اسلام کو انہوں نے اپنا بیخ کن خیال کر کے مخالفت پر کمربستہ ہو گئے۔ یہ لوگ خود تو مردِ میدان نہ تھے لیکن

سازش و فساد کا پورا ملکہ رکھتے تھے۔ اہل مکہ کے پاس وفد بھیج کر پھر مخالفت پر آمادہ کیا۔ اہلِ مکہ سے مطمئن ہونے کے بعد وفد نے قبائل میں دورہ کر کے ہر جگہ جوشِ جنگ تازہ کر دیا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ دس ہزار نبرد آزما دُشمنانِ اسلام پھر آمادہ ہو گئے۔ حضرت سرورِ عالمؐ کو جب اس مہم کی اطلاع ملی تو آپؐ نے حفاظت کے لیے مدینہ کے گرد خندق کھودنے کا اہتمام فرمایا۔ خود بہ نفسِ نفیس خندق کھودنے میں شرکت فرماتے تھے۔ مُسلمانوں نے اس محنت و جانفشانی سے کام کیا کہ لشکرِ کُفار کے مدینہ پہنچنے سے پہلے پہلے خندق کُھد کر تیار ہو گئی۔ مشرکین کی فوج دس ہزار تھی مسلمانوں کی تین ہزار۔ موسم نہایت سرد تھا۔ سامانِ رسد قلیل باوجود ان تمام مُشکلات کے اہلِ ایمان نے مردانہ وار مقابلہ کیا اور برابر ثابت قدم رہے۔ دُشمنوں نے ایک مہینہ تک محاصرہ رکھا اور متواتر حملے کیے لیکن ہر مرتبہ زک اُٹھائی لشکرِ اسلام کا ایک دستہ حضرت صدیقؓ کے ماتحت خندق کے ایک حصّہ کی حفاظت پر مامور تھا۔ اس موقع پر بعد کو مسجد بنا دی گئی جو مسجد صدیق کے نام سے مشہور اور شاہ ولی اللہ صاحب کے زمانہ تک موجود تھی۔

حدیبیہ[1] (ذوالقعدہ ۶ھ) ذوالقعدہ ۶ھ میں حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم ادائے عمرہ کے واسطے مکہ کو روانہ ہُوئے۔ احرام باندھے ہوئے تھے۔ قربانی کے جانور ہمراہ تھے۔ آپؐ نے اس امر کا اعلان اچھی طرح فرما دیا تھا کہ مقصود صرف زیارت بیت اللہ ہے نہ مخالفت یا مخاصمت۔ مہاجرین انصار اور قبائل کے چودہ سو آدمی بھی ہمرکاب تھے۔ اثنائے سفر میں یہ اطلاع ملی کہ قریش راستہ روکے ہُوئے ہیں اور باہم یہ عہد کر چکے ہیں کہ آپؐ کو مکہ میں نہ داخل ہونے دینگے۔ آپؐ نے یہ حال سُن کر وہ

[1] حدیبیہ مکہ سے ایک منزل فاصلہ پر چھوٹا سا گاؤں تھا۔

راستہ چھوڑ دیا اور دُوسرے راستہ سے ایک منزل طے فرما کر بمنزل حدیبیہ قیام فرمایا۔ بعد قیام حسبِ عادت آپؐ نے صحابہ سے مشورہ فرمایا۔ بعد مشورہ حضرت ابو بکرؓ کی رائے پسند فرمائی گئی۔ اس مقام پر قریشیوں کے متعدد ایلچی حاضر ہوئے اور آپؐ نے سب کو اطمینان دلایا کہ محض زیارت کعبہ کا ارادہ ہے۔ کوئی نزاع یا مخالفت پیش نظر نہیں۔ ایلچی اہلِ مکہ کو آپؐ کی جانب سے مطمئن کرتے تھے مگر قریشیوں کا شک کسی طرح رفع نہ ہُوا۔ آخر عروہ بن مسعود قریش کی طرف سے ایلچی ہو کر آیا اور اُس نے اہلِ مکہ کا عزم و اہتمام جنگ نہایت شدومد کے ساتھ بیان کیا۔ حضرت ابو بکرؓ اس وقت حاضر تھے۔ عروہ کی لن ترانی سُن کر ضبط نہ کر سکے اور کہا لات و عزیٰ کے پُوجنے والے مشرکوں کا یہ اہتمام ہے تو کیا ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مدد سے مُنہ موڑ لیں گے؛ عروہ نے پُوچھا یہ کون ہے۔ آپ نے فرمایا ابن ابی قحافہ۔ عروہ نے کہا کہ اگر ابو بکر کے احسان مجھ پر نہ ہوتے تو میں اس کا جواب دیتا۔ لیکن میں اُن کے احسانوں کا خیال کر کے درگزر کرتا ہُوں۔ جب اُدھر کے ایلچیوں کو کامیابی نہ ہُوئی تو آپؐ نے خُود اپنا ایلچی خاص سواری کے اُونٹ پر بھیجا۔ اس کے ساتھ یہ سلوک ہُوا کہ اُونٹ کے پاؤں قلم کر دیئے گئے۔ آپؐ نے اس کے بعد حضرت عثمانؓ کو بھیجا۔ جب اُنھوں نے پیامِ رسالت ابو سفیان وغیرہ اعیان قریش سے بیان کیا تو جواب دیا کہ تم کو طواف بیت اللہ کی اجازت ہے۔ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ جب تک رسول اللہ طواف نہ فرمائیں میں طواف نہیں کر سکتا۔ طیش میں آکر قریش نے اُن کو نظر بند کر دیا۔ لشکرِ اسلام میں خبر پہنچی کہ عثمانؓ قتل کر دیئے گئے یہ سُن کر حضرت سرورِ عالمؐ نے ارشاد فرمایا کہ اب جب تک عثمانؓ کے خون کا بدلہ نہ

لے لیا جائے واپسی ممکن نہیں۔ چنانچہ تمام مسلمانوں کو جمع فرمایا اور اُن سے مقابلۂ دُشمن کی بیعت لی۔ آنحضرتؐ ایک درخت کے زیر سایہ کھڑے تھے ایک ایک مسلمان آتا اور دستِ مبارک پکڑ کر اقرار کرتا تھا کہ جب تک تن میں جان ہے دُشمن کے مقابلہ سے مُنہ نہ موڑوں گا۔[1] یہ بیعت تاریخ اسلام میں بیعت الرضوان کے نام سے مشہور ہے اور اسی کی نسبت کلام مجید میں ارشاد ہے:

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ — یہ بات تحقیق ہے کہ اللہ مومنوں سے خوش ہوا جبوقت کہ
یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ — تجھ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔

چونکہ حضرت عثمان غیر حاضر تھے اس لیے آپؐ نے اپنا ایک ہاتھ دُوسرے ہاتھ میں لیکر اُن کی جانب سے بیعت کی۔ بعد بیعت معلوم ہُوا کہ حضرت عثمانؓ کے قتل کی خبر غلط تھی۔ ادھر مُسلمانوں کا یہ عزم دیکھ کر قریشیوں کے حوصلے پست ہو گئے اور سہیل نامی قاصد کے زبانی یہ پیغام بھیجا کہ اس سال مُسلمان واپس جائیں آئندہ سال کو داخلۂ مکہ اور زیارت بیت اللہ کی اجازت دی جائیگی۔ اب اگر مسلمان داخل مکہ ہوئے تو ہم کو اندیشہ ہے کہ عرب خیال کریں گے کہ قریش مُسلمانوں سے دب گئے۔ طویل مباحثہ کے بعد شرائط صُلح طے ہُوئیں اور معاہدہ قلم بند ہونے لگا۔ شرائط صلح سے بظاہر کفار کی کامیابی ثابت ہوتی تھی۔ حضرت عمرؓ کو اس سے اضطراب ہُوا اور وہ جھپٹ کر حضرت ابو بکرؓ کے پاس گئے اور فاروقی لہجے میں اپنا خیال ظاہر کیا۔ حضرت ابو بکر نے سُن کر جواب دیا:

اِلْزَمْ غَرْزَہٗ — آپ کی رکاب تھامے رہو۔

---

[1] الفاظ بیعت میں اختلاف روایت ہے بعض نے موت لکھا ہے بعض نے عدم فرار۔

اس سے بھی اطمینان نہ ہُوا تو فاروقِ اعظم نے اپنا خیال خود حضرت سرورِ عالمؐ سے ظاہر کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں وحی ربانی کے مطابق عمل کر رہا ہوں یہ سُن کر حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے۔ الغرض حضرت علیؓ نے معاہدہ تحریر فرمایا۔ بعد تکمیل مُسلمانوں کی جانب سے حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص وغیرہ صحابہ کرام کے دستخط ہُوئے۔ بعد معاہدہ آپؐ نے اسی مقام پر ارکان عمرہ ادا فرما کر مدینہ کو مراجعت کی۔ راستہ میں سورۃ الفتح نازل ہُوئی جسمیں صلح حدیبیہ کو فتح مبین سے تعبیر فرمایا ہے۔ امام زہری کا قول ہے کہ اسلام میں اس سے پہلے کوئی فتح واقعہ حدیبیہ سے بڑھ کر نہیں ہُوئی تھی۔ اب تک مُسلمان اور کافر جہاں ملتے تھے لڑنے کے واسطے مگر اب صلح کی وجہ سے آشتی کے ساتھ ملنے لگے۔ اور کافروں کو احکامِ اسلام باطمینان سُننے کا موقعہ ملا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ جو ذرا بھی دانشمند تھے مسلمان ہو گئے۔ اور صلح حدیبیہ کے بعد دو سال کے عرصہ میں اسقدر مُسلمان ہوئے جسقدر اس سے پہلے ۱۹ برس کے زمانہ میں ہوئے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ ابن ہشام کا مقولہ ہے کہ امام زہری کے قول کی دلیل یہ ہے کہ حدیبیہ میں چودہ سو آدمی حضرت سرور عالمؐ کے ساتھ تھے اسکے دو ہی سال کے بعد فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار تھے۔

خیبر[1] ۔ محرم ۷ھ حدیبیہ سے مراجعت فرمانے کے بعد حضرت سرور عالمؐ نے ایک ماہ سے زائد مدینہ میں قیام فرمایا اور آخر محرم میں یہودیوں کا فتنہ فرو کرنے کے ارادہ سے خیبر کو تشریف لے گئے۔ خیبر بہت سے قلعوں کا مجموعہ اور

---

[1] خیبر مدینہ سے آٹھ منزل شام کی جانب ہے۔

یہودیوں کا ملجا و ماویٰ تھا۔ یہودی قلعہ بند ہو کر لڑے اور مختلف قلعوں پر معرکے رہے۔
لشکرِ اسلام کا بڑا سفید نشان حضرتِ شیرِ خدا کے سپرد تھا۔ ایک قلعہ پہ حضرت ابو بکرؓ
امیرِ لشکر مقرر ہو گئے مگر فتح نہ ہُوا اور دوسرے روز حضرت عمرؓ نے حملہ کیا وہ بھی
کامیاب نہ ہوئے۔ تیسرے روز حضرت سرورِ عالمؐ نے فرمایا کہ آج میں ایسے شخص
کو امیرِ لشکر بنا کر نشان دوں گا جو خدا اور اُسکے رسول کو دوست رکھتا ہے اور جو
بھاگنے والا نہیں اس کے ہاتھ سے قلعہ فتح ہو گا۔ چنانچہ حضرت علی مرتضیٰؓ کو نشان ملا۔
اور حملۂ حیدری سے قلعہ سر ہو گیا۔ خیبر صفر ۷ھ میں فتح ہُوا۔

فتح مکہ رمضان ۸ھ

جو معاہدہ صلح میں ہُوا تھا کفارِ قریش نے جلد توڑ ڈالا۔ قبیلۂ خزاعہ پر جو مسلمانوں کا حلیف تھا قبیلۂ بنو بکر نے
حملہ کیا۔ یہ قبیلۂ قریش کا حلیف تھا۔ خلاف شرائطِ معاہدہ قریش نے اپنے میل والوں
کو مدد دی۔ انتہا یہ کہ قبیلۂ خزاعہ کو جوارِ کعبہ میں بھی پناہ نہ ملی اور حرم کے
اندر قتل کیے گئے۔ آخر اُنہوں نے اپنا قاصد فریاد لے کر بارگاہِ رسالت میں بھیجا
جس وقت ابن سالم ان کا ایلچی حاضرِ خدمت ہوا۔ حضرت سرورِ عالمؐ مع صحابہ کرام
مسجد نبوی میں رونق افروز تھے۔ ابن سالم نے ایک دردناک نظم پڑھی جس میں
مدد کی التجا تھی اور قبیلۂ خزاعہ کی مصیبت کی تشریح آپؐ نے سُنکر فرمایا کہ تم کو مدد
ملے گی۔ اسی عرصہ میں دُوسرا وفد طلب مدد کے واسطے حاضر ہُوا۔ دسویں رمضان
المبارک کو آنحضرتؐ نے معہ دس ہزار لشکر کے مکہ کی طرف کُوچ فرمایا۔ آپؐ
کے عم بزرگوار حضرت عباسؓ نے اس کا اندازہ کر لیا تھا کہ اگر کفار نے لشکرِ اسلام
کا مقابلہ کیا تو کیا مصیبت نازل ہو گی اس لیے آگے بڑھ کر قریش کی اطاعت کا

پیام آپؐ کی خدمت میں پیش کیا جو منظور ہُوا اور سب کی جان بخشی کا اعلان فرما دیا گیا
چند مشرک جو اسلام کے شدید دشمن تھے امان سے محروم رہے۔ ان کا نام لے کر فرما دیا
گیا کہ اگر کعبہ کے پردوں میں لپٹے ہوئے ملیں تو قتل کر دیئے جائیں۔ اس موقع پر یہ
خیال کرنا چاہیئے کہ یہ وہ اہلِ مکہ تھے جنہوں نے تیرہ برس تک انتہائی سفاکی اور
ظلم کے ساتھ آپؐ کو اور آپؐ کے ساتھیوں کو اذیتیں دی تھیں۔ وطن سے بے وطن
کیا۔ مدینہ میں بھی برسوں چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ آج جب دس ہزار جانثار ہمرکاب ہیں
مکہ کے فتح ہونے اور کفار کو سزائے کردار ملنے کا وقت آتا ہے تو رحمت کا ظہور
ہوتا ہے اور بے دریغ دولت امن و امان لٹائی جاتی ہے۔ حکم ہوتا ہے کہ جو
اپنے دروازے بند کر کے گھروں میں بیٹھ جائیں محفوظ۔ جو ابو سفیان کے گھر میں
پناہ لیں اُن کا خون معاف۔ ذرا سوچو ابو سفیان کس کا نام تھا؟ جن لوگوں کی
نسبت یہ عتاب تھا کہ خانۂ کعبہ کے پردے بھی ان کو امان و پناہ نہ دیں انکی بھی
سفارشیں ہوتی ہیں اور خطا معاف ہو جاتی ہے۔ اس واقعۂ عظیم کے ساتھ ساتھ
یہ بھی دیکھو کہ یورپ کے "منصف مزاج" نبی کریمؐ کی تصویر ایک ایسے خونخوار شخص کی
شکل میں پیش کرتے ہیں جو جوشِ انتقام میں بیخود ہو۔ فتح مکہ کے بعد حضرت ابو بکرؓ
اپنے والد ابو قحافہ کو حضرت سرورِ عالمؐ کی خدمت میں لائے تاکہ ان کو تلقینِ اسلام
فرمائیں۔ آپؐ نے دیکھ کر فرمایا کہ ابو بکر تم نے شیخ (بڑے میاں) کو مکان پر
رہنے دیا ہوتا میں خود اُن کے پاس چلتا۔ عرض کی یا رسول اللہ! انہی کو آپؐ
کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیئے تھا۔ آپؐ نے ابو قحافہ کو سامنے بٹھایا اور سینہ پر
دستِ مبارک پھیر کر فرمایا اسلم! اسلام لے آؤ۔ ابو قحافہ نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔

حنین¹

فتح مکہ نے قریش کی مخالفت کا تو خاتمہ کر دیا اور وہ ہمیشہ کے لیے اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ لیکن نواحِ مکہ میں ہنوز جوشِ مخاصمت برپا تھا۔ قبیلۂ ہوازن کے سردار مالک بن عوف نے اپنے قبیلہ کو جمع کیا۔ ہوازن کے حلیف ثقیف وغیرہ قبائل بھی فراہم ہوئے اور سب نے مل کر حضرت سرورِ عالمؐ کے مقابلہ کا عہد کیا۔ دُرید نے (جو ایک اہل الرائے سن رسیدہ شخص تھا) مالک کو بہت سمجھایا کہ مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کرنا چاہیئے مگر مطلق اثر نہ ہُوا۔ جب آپؐ کو ان قبائل کے ارادے کی خبر ہوئی تو آپؐ نے حضرت عبداللہ اسلمی کو دریافتِ حال کے واسطے بھیجا۔ اُنھوں نے واپس آکر بیان کیا کہ قبائل ہوازن وغیرہ پوری طرح آمادۂ پیکار ہیں۔ یہ سُن کر آنحضرتؐ نے مکہ سے کوچ کا حکم دیا۔ علاوہ ان دس ہزار آدمیوں کے جو مدینہ سے آئے تھے دو ہزار اہل مکہ بھی ساتھ ہوئے اس طرح بارہ ہزار آدمیوں کی جمعیت رکابِ سعادت میں تھی وادیٔ حنین میں مقابلہ ہوا۔ قبائل کے لشکرِ مخالف کے عزم و ثبات کا یہ عالم تھا کہ ایک دیوارِ آہنی معلوم ہوتا تھا۔ معرکۂ کارزار گرم ہُوا۔ مسلمانوں کے قدم اوّل ہی حملے میں اُکھڑ گئے۔ حضرت سرورِ عالمؐ نے اہلِ اسلام کی جمعیت قائم کرنے کی کوشش فرمائی لیکن تفرقہ نہ مٹ سکا۔ اُس وقت آپؐ کی خدمت میں صرف چند مہاجرین و انصار حاضر تھے باقی تمام لشکر متفرق ہو گیا تھا۔ منجملہ حاضرین حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ تھے۔ اہلبیت میں سے حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ، حضرت فضل بن عباس، حضرت اسامہ بن زید اور آنحضرتؐ

---

¹ حنین، ایک وادی مکہ سے تین میل ہے۔

کی کھلائی حضرت ام ایمنؓ کے بیٹے حضرت ایمنؓ (جو اسی روز شہید ہوئے) حاضر تھے۔ حضرت عباسؓ آپؐ کے سفید خچر کی باگ تھامے تھے، وہ نہایت جسیم اور بلند آواز تھے۔ حضرت سرورِ عالمؐ نے اُن کو حکم دیا کہ باآوازِ بلند پکارو "یامعشر الانصار یا معشر اصحاب سمرہ" اس ندا کے سامنے سارے تفرقہ اور ابتری نے سپر ڈال دی۔ اُدھر عمِ رسول نے باآوازِ بلند پکارا "یامعشر الانصار یا معشر اصحاب سمرہ" اُدھر "لبیک لبیک" کی صدا سے جنگل گونج اُٹھا۔

گلہ نے اپنے راعی کی آواز پہچان لی اب بیتابی کا یہ عالم ہے کہ اُونٹ قابو میں نہ آئے تو جنے آہنی زرہیں اُتار اُتار کر اُن کی گردنوں پر ڈال دیں ہلکے ہو کر کود ے۔ اور شمشیر بکف پروانہ وار شمعِ رسالت (روحی فداہ) کے گرد جمع ہو گئے جبوقت سو آدمی فراہم ہو گئے ہلّہ کا حکم دیا۔ ان کی جانبازی دیکھ کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مسرور ہوئے اور فرمایا کہ اب معرکۂ کارزار میں گرمی آئی۔ حضرت شیرِ خدا اور ایک انصاری نے مل کر دشمن کے نشان بردار پر حملہ کر دیا حضرت علیؓ نے اونٹ کے پاؤں کاٹ دیئے وہ گرا تو انصاری نے ایک ہاتھ میں سوار کا کام تمام کر دیا۔ اسی عرصہ میں مسلمانوں کی جمعیت زیادہ ہو گئی اور میدان اعداء سے جیت لیا۔ جب لشکر کا آخری حصہ لوٹ کر میدان میں آیا تو اُس نے دیکھا کہ قیدی مشکیں کسے میدان میں پڑے تھے۔

تبوک¹ رجب ۹ھ

اسلام کی آب و تاب دور دور تک نگاہوں کو خیرہ کرنے لگی اور کفر کے حلقوں میں تہلکہ بڑھتا گیا۔ پرخاش اور مخالفت کا دائرہ عرب اور یہود سے گزر کر روم تک پہنچ گیا۔ اسی سلسلہ میں فتح مکہ سے

---

¹ تبوک: شام کا سرحدی شہر مدینہ سے تقریباً ڈیڑھ سو میل ہے۔

پہلے حضرت سرورِ عالمؐ نے ایک مہم رُومیوں کے مقابلہ پر روانہ فرمائی جو سیرت میں غزوۂ مُوتہ کے نام سے مشہور ہے۔ اسی معرکہ میں جعفرؓ بن طیار اور زیدؓ بن حارثہ شہید ہُوئے (رضی اللہ عنہ) اب مدینہ خبر پہنچی کہ خود ہرقل روم باتفاق نصاریٰ عرب پر آمادہ حملہ ہے۔ آنحضرتؐ نے اس شر کے دفع کرنے کی تیاریاں شروع فرمائیں۔ یہ مہم ایک بڑی سلطنت کے مقابلہ پر تھی اور منزل دور دراز عرب میں قحط پڑا ہُوا تھا۔ اسی مناسبت سے اس غزوہ کا نام جیش العسرۃ (مصیبت کا لشکر) ہے اس پر طرّہ یہ کہ موسم کھجوروں کے پختہ ہونیکا تھا۔ اس موسم میں اہلِ مدینہ باہر نہیں جاتے تھے باغوں میں درختوں کے نیچے کھجوریں جمع کرتے احباب کیساتھ ملکر کھاتے کھلاتے۔ ان اسباب سے منافقین نے خوب نفع اٹھایا اور دل کھولکر مُسلمانوں میں تفرقہ اور مہم میں خلل ڈالا۔ حضرت سرورِ عالمؐ نے مسلمان دولتمندوں کو تیاریٔ لشکر میں مدد دینے کی ترغیب فرمائی۔ حضرت عمرؓ نے خود بیان کیا ہے کہ جس وقت لشکر تبوک کے انفاق (چندہ) کا ارشاد ہُوا اس وقت میں خوب مالدار تھا میں نے دل میں کہا کہ اگر ابو بکرؓ سے آگے بڑھ سکتا ہوں تو وہ یہی موقع ہے گھر گیا اور بُہت سا مال لا کر رسول اللہؐ کی خدمت میں پیش کیا فرمایا عمر بال بچوں کے واسطے کیا چھوڑا؟ جواب دیا اسی قدر۔ اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے اپنا انفاق (چندہ) پیش کیا۔ استفسار ہُوا ابو بکر! بال بچوں کے لیے کیا رکھا۔ عرض کی:

اَبْقَیْتُ لَھُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلَہٗ — اُنکے واسطے اللہ اور اُسکا رسول رکھ لیا ہے۔

(یعنی مال ظاہری کچھ نہیں چھوڑا) یہ سُن کر حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں ابو بکرؓ سے کبھی بازی نہیں لے جا سکتا۔ لشکرِ تبوک کے جائزہ اور امامت کا منصب اور

بڑا نشان حضرت ابو بکرؓ کے سپرد تھا۔ فوج کی تعداد تیس ہزار تھی۔ تبوک پہنچ کر معلوم ہُوا کہ دشمن نے اپنے مقام سے جنبش نہیں کی۔ یوحنا حاکم ایلیا[1] نے حاضر ہو کر صُلح کے لیے درخواست کی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمان صُلح عطا فرمایا اور مع الخیر مدینہ کو واپسی فرمائی۔

حج ۹ھ

ذی حجہ ۹ھ میں حضرت سرورِ عالمؐ نے قافلہ حج مکہ کو روانہ فرمایا۔ حضرت ابو بکر امیر حج مقرر ہُوئے۔ اسلام میں یہ پہلے امیر حج ہیں۔ بیس جانور قربانی کے آنحضرتؐ کی جانب سے اور پانچ خود اُنکے ہمراہ تھے۔ تین سو آدمیوں کا قافلہ تھا۔ اس سال مومن و مشرک دونوں نے حج ادا کیا۔ اس کے بعد مشرکوں کے واسطے داخلۂ حرم ممنوع ہو گیا۔ اسی حج کے زمانے میں سورۂ برأت کی تبلیغ حضرت علی مُرتضیٰ نے بآوازِ بلند متواتر من جانب حضرت سرورِ عالمؐ فرمائی۔

وفاتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ

۱۰ھ میں سرورِ عالمؐ نے حج ادا فرمایا چونکہ یہ حج آپؐ کا آخری حج تھا اور خطبہ میں آپ نے اعلان فرما دیا تھا اس لیے اس کا لقب حجۃ الوداع ہے۔ معاودت فرمانے کے بعد مزاج اقدس ناساز ہوا۔ آخر صفر یا شروع ربیع الاوّل میں علالت وفات کی ابتدا ہُوئی۔ ایک روز نصف شب کے وقت آپ گورستانِ بقیع کو (جہاں آپ کے رفقا دفن ہیں) تشریف لے گئے۔ ابو مُوَیہبہ آپؐ کے غلام سے روایت ہے کہ اس شب کو مجھ کو یاد فرما کر ارشاد کیا کہ اہلِ بقیع کیواسطے دُعائے مغفرت کرنے کا

---

[1] ایلیا شہر بیت المقدس ۱۲ ؏

حُکم مجھ کو ہُوا ہے تم ہمراہ چلو۔ چنانچہ میں ساتھ گیا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قبور کے وسط میں قیام فرما کر کہا:

السلام علیکم یا اھل المقابر لیھنی لکم ما اصبحتم فیہ مما اصبح الناس فیہ اقبلت الفتن کقطع اللیل المظلم تبلع آخرھا اولھا الاخرۃ شر من الاولی۔

اے بقیع کی قبروں میں سونے والو! تم جس حال میں ہو وہ بہت اچھا ہے اس حال سے جس میں زندہ انسان ہیں۔ تاریک رات کے حصّوں کی طرح فتنے چلے آ رہے ہیں، پچھلا فتنہ اگلے کو نگلے لیتا ہے اور اگلے سے پچھلا بد تر ہے۔

اس کے بعد میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا" اے ابومویہبہ میرے سامنے دُنیا کا ابدی قیام اسکے خزانوں کی کنجیاں اور جنت پیش کی گئی۔ مَیں نے اپنے رب کے دیدار اور جنت کو انتخاب کر لیا" میں نے کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ دُنیا کے خزانوں کی کنجیاں اور یہاں کا ابدی قیام پسند فرمالیجیے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں میں لقاء ربانی اور جنت پسند کر چکا۔ یہ فرما کر اہل بقیع کی مغفرت کی دعا کی اور دولتخانہ کو واپس تشریف لے آئے۔ حجرے میں پہنچے تو حضرت عائشہ کے سر میں درد تھا آپؐ نے فرمایا میرے سر میں بھی درد ہے۔ یہی آغازِ مرض تھا جو رفتہ رفتہ بڑھتا گیا۔ دورانِ مرض بھی حسب معمول آپؐ باری باری سے ازواج مطہرات کے یہاں قیام فرماتے رہے۔ جب مرض کی زیادہ شدت ہوئی تو سب بیویوں کو جمع فرما کر ایام مرض میں حضرت عائشہ کے ہاں قیام کی اجازت حاصل کی۔ بعد اجازت حضرت علیؓ اور حضرت فضل بن عباس کے شانوں پر دستِ مبارک رکھ کر حضرت عائشہؓ کے حجرے میں تشریف لے آئے۔ سر بندھا ہُوا تھا اور پاؤں فرطِ ضعف سے زمین پر کھنچتے جاتے تھے۔ زمانۂ علالت میں ایک روز مسجد میں

تشریف لائے۔ منبر پر بیٹھ کر اوّل شہدائے اُحد کے واسطے دُعائے مغفرت کی اس کے بعد فرمایا:

ان عبدًا من عباد اللہ خیر اللہ بین الدنیا و بین ما عندہ فاختار ما عند اللہ۔

یعنی اللہ نے اپنے بندوں میں سے ایک بندے کو اختیار دیا کہ وہ دُنیا اور قرب الٰہی میں سے جسے چاہے پسند کرے۔ اُس نے اللہ کے قرب کو پسند کر لیا۔

حضرت ابوبکر فراستِ ایمانی سے اس قول کی تہ کو پہنچ گئے۔ رونے لگے اور کہا۔

بل نفدیک بانفسنا و اٰبائنا

نہیں بلکہ ہم اپنی جانیں اور اپنے باپ آپ پر سے قربان کر دیں گے۔

آپؐ نے سُن کر ارشاد فرمایا:

علیٰ رسلک یا ابابکر

ابوبکر سنبھلو

پھر ارشاد فرمایا کہ جسقدر مکانوں کے دروازے صحن مسجد میں ہیں وہ سب بند کر دیئے جائیں مگر ابوبکر کے گھر کا دروازہ بدستور رہے۔ یہ کہہ کر فرمایا:

فانی لا اعلم احدًا کان افضل فی الصحبۃ عندی یدًا منہ فانی لو کنت متخذًا خلیلًا لاتخذت ابابکر خلیلًا و لکن صحبۃ و اخاء ایمان حتی یجمع اللہ بیننا عندہ۔

مَیں کسی کو نہیں جانتا جو میرے نزدیک رفاقت میں یا عتبار احسانات کے ابوبکر سے افضل ہو۔ پس اگر میں کسی کو خلیلی دوست بنانے والا ہوں تو ابوبکر کو بناتا۔ مگر یہ رفاقت اور اخوۃ ایمانی ہے۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ ہم کو اپنے پاس جمع کر لے۔

اس کے بعد مہاجرین کو تاکید فرمائی کہ انصار کے حقوق کا لحاظ رکھیں۔ جب مرض

کو اور زیادہ شدت ہوئی تو آپ نے فرمایا ابوبکر سے کہو کہ نماز کی امامت کریں یہ سُنکر حضرت عائشہؓ نے کہا کہ:

رجل رقیق ضعیف الصوت کثیر البکاء اذا قرأ القرآن۔

وہ ایک نرم دل کمزور آواز کے آدمی ہیں جب قرآن پڑھتے ہیں تو بہت روتے ہیں۔

مطلب یہ تھا کہ امامت کا بار نہ اُٹھا سکیں گے۔ حضرت سرورِ عالمؐ نے جھڑک کر دوبارہ حکم فرمایا چنانچہ پنج شنبہ کی عشاء کے وقت سے حضرت صدیقؓ نے امامت شروع کی اور اس طرح سترہ نمازیں حیاتِ مبارک میں پڑھائیں۔ دوشنبہ کو نمازِ صبح کے وقت حضرت سرورِ عالمؐ پردہ اُٹھا کر باہر تشریف لائے۔ دردِ سر کی شدت کی وجہ سے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ حضرت ابوبکر نماز پڑھا رہے تھے۔ صحابہ کرام کی جماعت اور نماز دیکھ کر چہرۂ مبارک فرطِ مسرت سے دمکنے لگا۔ آپؐ آگے بڑھے تو لوگوں نے راستہ دیدیا۔ حضرت ابوبکر سمجھ گئے کہ آنحضرتؐ تشریف لاتے ہیں۔ پیچھے ہٹنے لگے۔ آپ نے پیٹھ پر ہاتھ پھیر کر فرمایا۔ صلّ بالناس (نماز پڑھاؤ) خود آنحضرتؐ انکی دائیں جانب بیٹھ گئے اور نماز پڑھنے لگے۔ بعد نماز باآواز بلند (جو مسجد کے باہر تک جاتی تھی) وعظ ارشاد فرمایا۔ اس میں یہ جملے بھی تھے:

ایھا الناس سعرت النار واقبلت الفتن کقطع اللیل المظلم وانی واللہ ما تمسکون علی بشیءٍ لم احل الا ما احل القرآن ولم احرم الا ما حرم القرآن۔

اے لوگو آگ روشن کی گئی اور فتنے اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح چلے آتے ہیں اور قسم ہے رب کی میرے ذمہ تمہارا کچھ مطالبہ نہیں ہے میں نے وہی حلال بتایا جسکو قرآن نے حلال کیا اور وہی حرام بتایا جسکو قرآن نے حرام کیا۔

جب کلام مبارک ختم ہو لیا تو حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی اے اللہ کے نبی! آج تو خدا کے فضل و کرم سے آپ ایسے اچھے ہیں جیسا کہ ہم سب کا دل چاہتا تھا۔ آج تو بنتِ خارجہ[1] کے یہاں جانے کی باری ہے اجازت ہو تو وہاں جاؤں۔ آپؐ نے اجازت فرمائی۔ پھر آپ دولت خانہ میں تشریف لے آئے۔ صدیق اکبر سنح کو چلے گئے۔ اس کے بعد بھی کچھ عرصہ تک مزاج مبارک درست رہا۔ چنانچہ جب علی مرتضیٰ آپؐ کے پاس سے باہر آئے اور لوگوں نے خیریت دریافت کی تو جواب دیا:

اَصْبَحَ بِحَمْدِ اللہِ بَارِئًا

آج صبح سے خدا کا شکر ہے صحت ہے۔

مسجد سے واپس تشریف لانے پر حضرت سرورِ عالمؐ حضرت عائشہؓ کی آغوش میں تکیہ لگا کر بیٹھ گئے تھے۔ اسی اثنا میں آپ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکر کے ہاتھ میں مسواک دیکھی اور اس کو بہ نظرِ رغبت ملاحظہ فرمایا۔ حضرت عائشہؓ نے منشاء مبارک سمجھ کر مسواک ہاتھ سے لے لی پہلے خود چبا کر نرم کی پھر حضرت سرورِ عالمؐ کے سامنے اسکو پیش کیا آپ نے مسواک لے کر پوری قوت کے ساتھ دندان مبارک پر پھیری اور پھیرنے کے بعد رکھ دی۔ بعد مسواک جب آپؐ کے بدن کا بوجھ زیادہ محسوس ہونے لگا تو حضرت عائشہؓ نے چہرۂ اقدس کی طرف دیکھا، پتلیاں چڑھ گئی تھیں اور زبانِ مبارک پر یہ الفاظ تھے:

اَللّٰھُمَّ فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی

اے اللہ! مقام رفیق اعلیٰ میں پہنچا۔

تین بار یہ کلمات ادا فرما کر بتاریخ ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ روز دوشنبہ وقت چاشت رحلت فرمائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ وصلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین۔

---

[1] حضرت ابوبکرؓ کی بیوی تھیں جو سنح میں رہتی تھیں۔

صدیق اکبرؓ نے اس سانحہ ہوش رُبا کی خبر سُنی تو فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور مسجد کے دروازے پر پہنچ کر گھوڑے سے اُترے۔ حضرت عمرؓ مسجد میں مجمع کے سامنے گفتگو کر رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کسی جانب التفات نہیں کیا اور سیدھے حجرۂ مُبارک میں پہنچے۔ چہرۂ انور سے بُردیمانی ہٹا کر پیشانی پر بوسہ دیا اور رو کر کہا:

بابی انت وامی طبت حیاً و میتاً اما الموتة التی کتب اللّٰہ علیک فقد ذقتھا ثم لن یصیبک بعدھا موتة ابداً۔

آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ کی حیات اور وفات دونوں پاک ہیں۔ جو موت آپ کے حق میں اللہ نے لکھی تھی اسکا ذائقہ آپ چکھ لیا اب اس کے بعد آپ کبھی وفات نہ پائیں گے۔

یہ کہہ کر چادر اطہر ڈھک دی اور باہر آئے اس وقت حضرت فاروقؓ مجمع سے مخاطب ہو کر کہہ رہے تھے "منافق کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔ واللہ وفات نہیں پائی ہے بلکہ اپنے رب کے پاس موسیٰؑ کی طرح گئے ہیں جو چالیس روز غائب ہو کر واپس آ گئے تھے حالانکہ اُن کی نسبت بھی کہا جاتا تھا کہ وفات پا گئے ہیں۔ اسی طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مراجعت کریں گے۔ اور ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے جو کہتے ہیں کہ آپ نے رحلت فرمائی"۔

حضرت ابوبکرؓ نے یہ کلام سُنا تو کہا اے عمر! سنبھلو اور خاموش ہو جاؤ وہ چُپ نہ ہوئے تو حضرت صدیق اکبرؓ نے خود سلسلہ گفتگو شروع کر دیا حاضرین حضرت عمرؓ کو چھوڑ کر اُدھر متوجہ ہو گئے۔ صدیق اکبرؓ نے پہلے حمد و ثنا بیان کی اس کے بعد کہا:

ایھا الناس انہ من کان یعبد

اے لوگو! جو شخص محمدؐ کو پُوجتا تھا تو (وہ سمجھ لے کہ

محمداً فان محمداً قد مات ومن کان یعبد اللّٰہ فان اللّٰہ حیٌّ لا یموت وما محمدٌ الا رسولٌ قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللّٰہ شیئاً وسیجزی اللّٰہ الشاکرین۔

محمدؐ نے وفات پائی اور جو کوئی اللہ کو معبود مانتا تھا تو (وہ جان لے کہ) اللہ زندہ ہے کبھی نہیں مریگا (خدا کا ارشاد ہے) اور نہیں ہیں محمدؐ مگر ایک رسول اُن سے پہلے رسول گُزر چکے ہیں تو کیا وہ اگر مر جائیں گے یا قتل کر دیئے جائیں گے تو تم برگشتہ ہو جاؤ گے اور جو شخص برگشتہ ہو جائیگا وہ خدا کو کچھ نقصان نہیں پہنچائیگا اور اللہ شکر گزاروں کو عنقریب جزا دے گا۔

اس آیت پاک کو سُن کر لوگ چونک پڑے اور گویا اُن کو یاد آ گیا کہ یہ آیت بھی نازل ہُوئی ہے بہ روایت حضرت ابوہریرہؓ حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ اس آیت کو سُن کر میرے پاؤں ٹوٹ گئے۔ کھڑے رہنے کی قوت نہ رہی مَیں زمین پر گر گیا اور مجھ کو یقین ہو گیا کہ بے شک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے رحلت[1] فرمائی۔

---

[1] ایام خلافت میں ایک مرتبہ فاروق اعظمؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے فرمایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن جو میرا کلام تھا اسکا منشا یہ آیت تھی وکذالک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیداً۔ مَیں اس کا مطلب یہ سمجھتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمت میں آخر وقت تک قیام فرما کر اس کے اعمال کی شہادت فرمائیں گے۔

باب دوم

خلافت

سقیفہ بنی ساعدہ

اسی حالت میں کہ مہاجرین مسجد نبوی میں جمع تھے ایک شخص نے آکر کہا کہ انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں اکٹھا ہو کر خلافت کے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں اگر تم کو امت کے بچانے کی ضرورت ہے تو بچالو۔ قبل اس کے کہ کام ہاتھ سے نکل جائے۔ یہ سنتے ہی حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ ہم کو اپنے بھائیوں انصار کے پاس چلنا چاہیئے۔ چنانچہ دونوں صاحب روانہ ہوئے راستہ میں حضرت ابوعبیدہ بھی شامل ہو گئے۔ آگے بڑھے تو دو انصاری ملے اور پوچھا کہاں جاتے ہو؟ فاروق اعظم نے جواب دیا انصار کے جلسے میں۔ انصاریوں نے کہا وہاں نہ جائیے مہاجرین کو اپنا معاملہ خود طے کر لینا چاہیئے۔ حضرت عمرؓ نے قسم کھا کر کہا کہ ہم ضرور جائیں گے۔ اس موقع پر یہ بیان کر دینا مناسب ہے کہ سقیفۂ بنی ساعدہ میں کیا ہو رہا تھا۔ جب انصار سقیفہ میں جمع ہو لئے تو سب سے اول حضرت سعد بن عبادہ نے خطبہ دیا۔ پہلے حمد و ثناء الہٰی بیان کی پھر کہا:

یا معشر الانصار لکم سابقۃ فی الدین وفضیلۃٌ فی الاسلام لیست بقبیلۃٍ من العرب انّ محمّداً علیہ السّلام لبث بضع عشرۃ سنۃ فی قومہ یدعوھم الی عبادۃ الرحمٰن وخلع	اے گروہ انصار تم کو دین میں وہ سبقت اور اسلام میں وہ فضیلت حاصل ہے جو عرب کے کسی قبیلہ کو حاصل نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ محمدؐ اپنی قوم میں کچھ اوپر دس برس رہ کر اس کو خدا کی عبادت اور بت پرستی کے ترک کی جانب بلاتے رہے مگر باستثناء قلیل انکی

الانداد والاوثان فما امن به من
قومه الا رجالٌ قليلٌ وكان ما كانوا
يقدرون على ان يمنعوا رسول الله
ولا ان يعزوا دينه ولا ان يدفعوا عن
انفسهم ضيماً عموا به حتىٰ اذا اراد بكم
الفضيلة ساق اليكم الكرامة و
خصكم بالنعمة فرزقكم الله الايمانَ
به وبرسوله والمنع له ولاصحابه
والاعزاز له ولدينه والجهاد لاعدا
ئه وكنتم اشد الناس على عدوه
منكم واثقله على عدوه من غيركم
حتىٰ استقامت العرب لامر الله طوعاً
وكرهاً واعطى البعيد المقادة صاغراً
داخراً حتىٰ اثخن الله عزّوجل لرسوله
بكم الارض ودانت باسيافكم له
العرب وتوفاه الله وهو عنكم راضٍ
وبكم قرير عينٍ استبدّوا بهذا
الامر من دون الناس فانّه
لكم دون الناس ـ

قوم میں سے کوئی ایمان نہ لایا۔ جو ایمان لائے
انہیں اتنی قوت نہ تھی کہ رسول اللہ کی حفاظت
کرتے دین کا اعزاز بڑھاتے اور اپنے آپ سے
ظلم اعدا کو دفع کرتے جس میں سب مبتلا تھے یہاں
تک کہ جب اللہ کو منظور ہوا کہ تم کو عزت دے تو اس نے
تمکو شرف بخشا فضیلت کیساتھ مخصوص فرمایا اور اللہ
اور اسکے رسول پر ایمان لانیکی توفیق عطا فرمائی۔
نیز اس امر کی کہ تم رسول اللہ اور انکے اصحاب کی حفاظت
کرو اُن کا اور انکے دین کا اعزاز بڑھاؤ اور ان کے
دشمنوں سے جہاد کرو اسکے بعد تم اُن کے دشمنوں پر خواہ
(وہ تم میں سے تھے یا غیر) سب سے زیادہ سخت اور
بھاری ہوگئے یہانتک کہ تمام عرب سر از حکم الہیٰ کے
سامنے طوعاً و کرہاً جھک گئے اور تمہاری تلوار نے عرب کو
فرمانبردار بنادیا اور تمہارے ذریعے سے خدا تعالےٰ نے
سرزمین عرب کو مطیع بنایا خدا تعالےٰ ان کو
(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو وفات دی اور وہ
تم سے راضی و خوش تھے (خلافت کی نسبت)
پورا اصرار کرو وہ تمہارا حق ہے نہ کہ
اوروں کا ۔۔

اس خطبے کو ختم ہونے پر تمام مجمع نے تحسین کی اور کہا ہم تمہاری رائے پر عمل کریں گے تم ہم میں سے سر بر آوردہ ہو اور صلحائے مومنین کے محبوب۔ اس کے بعد باہم بحث و گفتگو ہوتی رہی۔ دوران بحث کسی نے کہا کہ اگر مہاجرین نے اپنا یہ دعوے پیش کیا کہ ہم مہاجرین اور اوّلین صحابہ ہیں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عزیز و رفیق پھر تم کس طرح ہمارے مقابلہ پر دعوے کرتے ہو تو ہمارا جواب کیا ہوگا؟ اس پر کسی نے کہا کہ ہم یہ جواب دیں گے۔

اذا منّا امیرٌ ومنکم امیر — اس صورت میں ایک امیر ہم میں سے ہو ایک تم میں سے

اس کے بغیر ہم کبھی راضی نہ ہوں گے۔ یہ سن کر حضرت سعدؓ نے کہا کہ یہ پہلی کمزوری ہے۔ یہ مکالمہ ہو رہا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور ابو عبیدہ وہاں پہنچے۔ دیکھا کہ ایک آدمی چادر اوڑھے لیٹا ہے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا یہ کون ہے کسی نے کہا سعد بن عبادہ۔

اس طرح کیوں لیٹے ہیں؟

"بیمار ہیں"

اس سوال و جواب کے بعد تینوں صاحب بیٹھ گئے۔ انکے بیٹھ جانے پر انصار کا ایک خطیب کھڑا ہُوا اور اس نے انصار کے حقوق و فضائل پُوری تفصیل کے ساتھ بیان کئے۔ اسی طرح متعدد انصاریوں نے خطبے دیئے جب اُن کے سب خطیب سلسلۂ کلام ختم کر چکے تھے تو حضرت عمرؓ نے خطبہ دینا چاہا (جس کو پہلے سے سوچ چکے تھے) حضرت ابوبکرؓ نے کہا ٹھیرو وہ رُک گئے۔ صدیق اکبرؓ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اوّل حمد و ثنائے الٰہی بیان کی پھر کہا:

ان الله بعث محمداً رسولاً الی خلقه
وشهیداً علی امته لیعبدوا الله ویوحدوه
وهم یعبدون من دونه الهة شتی
ویزعمون انهم عنده شافعة ولهم نافعة
انما هی من حجر منحوت وخشب منجور ثم
قرأ "ویعبدون من دون الله ما لا
یضرهم ولا ینفعهم ویقولون هؤلاء
شفعاؤنا عند الله" وقالوا "ما نعبدهم
الا لیقربونا الی الله زلفی" فعظم
علی العرب ان یترکوا دین آبائهم فخص الله
المهاجرین الاولین من قومه بتصدیقه
والایمان به والمواساة له والصبر
معه علی شدة اذی قومهم لهم و
تکذیبهم ایاهم وکل الناس لهم
مخالف زار علیهم فلم یستوحشوا لقلة
عددهم وشنف الناس لهم واجماع
قومهم علیهم فهم اول من
عبد الله فی الارض وآمن بالله
وبالرسول وهم اولیائه وعشیرته

واقعہ یہ ہے کہ اللہ نے محمدؐ کو اپنی مخلوق کے پاس رسول
اور انکی امت کیواسطے رہنما بنا کر بھیجا اس غرض سے کہ بندے
اللہ کی عبادت اور اسکی توحید کا اقرار کریں حالانکہ یہ متفرق معبودوں
کو اس خیال خام سے پوجتے تھے کہ وہ اللہ کے سامنے انکے شفیع
بنکر نفع پہنچائیں گے۔ ان معبودوں کی حقیقت یہ تھی کہ
چوب و سنگ سے تراش لیے گئے تھے (پھر آیت پڑھی جسکا ترجمہ
یہ ہے) اور وہ لوگ اللہ کے سوا ایسے معبود پوجتے ہیں جو
نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع اور کہتے ہیں کہ ہم
انکی پرستش صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمارا قرب
بارگاہ الٰہی میں بڑھائیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عربوں کو اپنا دین
آبائی چھوڑنا گراں گزرا اس وقت اللہ نے رسول کی قوم
میں سے مہاجرین کو یہ خصوصیت بخشی کہ انہوں نے آپکی
تصدیق کی اور ایمان لائے خدمت کے لیے کمربستہ ہوئے۔
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سخت مصیبتیں جھیلیں
اس حالت میں کہ تمام آدمی انکو جھٹلاتے تھے اور دشمن
جانی ہو رہے تھے وہ اس سے باوجود اپنی قلت اور دشمنوں
کی سختی کے گھبرائے نہیں۔ لہٰذا یہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے سب سے
اول روئے زمین پر اللہ کی عبادت کی اللہ اور رسول پر
ایمان لائے اسی کیساتھ یہ لوگ رسول اللہ کے رفقا اور

واحق الناس۔ لهذا الامر من بعده
ولا ینازعهم فی ذلک الا ظالم و
انتم یا معشر الانصار من لا ینکر
فضلهم فی الدین ولا سابقتهم
العظیمة فی الاسلام رضیکم الله
انصاراً لدینه ورسوله وجعل الیکم
هجرته وفیکم جلة ازواجه و
اصحابه فلیس بعد المهاجرین
الاولین عندنا بمنزلتکم فنحن
الامراء وانتم الوزراء لا
تفتاتون بمشورة ولا تقضی
دونکم الامور۔

کہنے والے ہیں اور آپ کے بعد خلافت کے سبب سے
زیادہ حقدار سوائے ظالم کے اس معاملہ میں ان سے
کوئی شخص نزاع نہیں کرسکتا اور اے گروہ انصار!
تمہاری دینی فضیلت اور اسلامی شرف سے کوئی شخص
انکار نہیں کر سکتا۔ تم کو اللہ نے دین اور رسول کی
مدد کیواسطے انتخاب کیا۔ اپنے رسول کو تمہاری پناہ
میں ہجرت کے بعد بھیجا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
کے اکثر ازواج واصحاب تم میں سے ہیں۔ لہٰذا
مہاجرین اولین کے بعد تمہارا مرتبہ سب سے زیادہ ہے،
پس ہم امراء ہوں تم وزراء۔ تم اپنے مشورے پر
ہٹ مت کرنا ہم بغیر تمہارے مشورہ کے معاملات
طے نہیں کریں گے۔

ایک روایت کے بموجب آخر میں کہا

وقد رضیت لکم احد هذین
الرجلین ایهما شئتم

میں ان دونوں میں سے جس ایک کو تم
چاہو انتخاب کرتا ہوں۔

یہ کہہ کر حضرت ابو عبیدہ اور حضرت عمر کی طرف اشارہ کیا اور دونوں کے
مختصر فضائل بیان کئے۔ انصار اس کے بعد بھی جوش کے ساتھ اپنے حقوق
بیان کرتے رہے۔

آخر کار حضرت ابو عبیدہؓ نے کہا:

يامعشر الانصار انكم اول من نصر واذ رفلا تكونوا اول من بدل وتغير :

اے گروہ انصار تم نے مدد اور قوت پہنچانے میں سبقت کی تھی للذا تغیر تبدل کرنے میں سبقت نہیں کرنی چاہیئے ۔

یہ سُن کر دو جلیل القدر انصاری یعنی حضرت زید بن ثابت اور حضرت بشیر بن سعد نے اپنے فریق کو سمجھایا ۔ حضرت زید بن ثابت نے کہا

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان من المهاجرين فان الامام يكون من المهاجرين ونحن انصاره كما كنا انصار رسول الله صلى الله عليه وسلم

یہ واقعہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زمرۂ مہاجرین میں تھے پس ضرور ہے کہ امام بھی مہاجرین میں سے ہو اور ہم اُسکے اسی طرح مددگار ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے ۔

حضرت بشیر بن سعد نے کہا :

يامعشر الانصار انا والله لئن كنا اولى فضيلة فى جهاد المشركين وسابقة فى هذا الدين ماردنا به الارضا ربنا وطاعة نبينا والكدح لنفسنا فما ينبغى لنا ان نستطيل على الناس بذلك ولانبغى به من الدنيا عرضا فان الله ولى المنة علينا بذلك الا ان محمدا صلى

اے گروہ انصار اگر ہم نے مشرکوں کے جہاد میں سب سے زیادہ فضیلت حاصل کی اور دین میں عزت تو اس سے مقصود صرف اللہ کی رضا اور اپنے نبی کی اطاعت اور خود اپنے لیے کسب عمل تھا ہم کو روا نہیں کہ ہم اسکو دوسرے آدمیوں کے حقوق میں دست اندازی کا ذریعہ بنائیں نہ اسکے عوض ہمکو جاہ دُنیا طلب کرنا چاہیئے خُدا ہم کو اسکی جزا دیگا ۔ خوب سمجھ لو کہ محمد صلی اللہ

الله عليه وسلم من قريش قومه احق به واولى وايم الله لايرانى الله انازعهم هذا الامر ابدا فاتقوا الله ولاتنازعوهم ۔

علیہ وسلم قریشی تھے اُنکی قوم اُنکی جانشینی کی سب سے زیادہ مستحق و اہل ہے میں بالقسم کہتا ہوں کہ خدا مجھ کو کبھی نہ دیکھے گا کہ میں ان سے اس بارہ میں نزاع کروں ۔ پس تم خدا سے ڈرو ان سے جھگڑا نہ کرو ۔

حضرت بشیر کی گفتگو ختم ہونے پر حضرت ابوبکر نے کہا کہ عمر اور ابو عبیدہ موجود ہیں ان میں سے جس سے چاہو بیعت کر لو ۔ دونوں نے کہا ۔

لا والله لانتولى هذا الامر عليك فانك افضل المهاجرين وثانى اثنين اذهما فى الغار وخليفة رسول الله على الصلوٰة والصلوٰة افضل دين المسلمين فمن ذا ينبغى له ان يتقدمك او يتولى هذا الامر عليك ابسط يدك نبايعك ۔

نہیں قسم رب کی اس معاملہ میں ہم تم پر سبقت نہیں کر سکتے تم افضل مہاجرین ہو رسول اللہ کے رفیق غار اور خلیفۂ نماز اور نماز مسلمانوں کے دین میں سب سے بڑھکر ہے پس یہ کس کو زیبا ہے کہ وہ تم پر مقدم ہو یا تمہارے ہوتے ہُوئے خلافت کا متولی بنے ۔ ہاتھ بڑھاؤ ہم تم سے بیعت کرتے ہیں

جس وقت اِن دونوں صاحبوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت کا ارادہ کیا حضرت بشیر بن سعد انصاری نے سبقت کر کے سب سے اوّل بیعت کی ۔ اسکے بعد حضرت عمر اور حضرت ابو عبیدہ نے ۔ پھر تو یہ عالم ہُوا کہ تمام مجمع بیعت پر ٹوٹ پڑا اور خوف ہُوا کہ حضرت سعد بن عبادہ (بوجہ مرض مجمع کے اندر لیٹے ہُوئے تھے) کچل نہ جائیں ۔ جب بیعت کی خبر جلسہ کے باہر پہنچی تو ہر طرف سے آدمی جوق در جوق آنے لگے یہاں تک کہ گلیاں اُن کے ہجوم سے بھر گئیں ۔ یہ بیعت خاصہ تھی ۔

بیعت عامّہ

اگلے روز سہ شنبہ کو بیعت عامّہ ہوئی مسجد نبویؐ میں مسلمان جمع ہوئے اوّل حضرت عمرؓ نے منبر پر کھڑے ہو کر کہا :

کنت ارجوان یعیش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتّٰی یدبرنا فان یکُ محمدٌ صلی اللہ علیہ وسلم قد مات فان اللہ قد جعل بین اظہرکم نورًا تہتدون بہ ھدی اللہ محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم وانّ ابابکرٍ صاحب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وثانی اثنین وانہ اولی المسلمین بامورکم فقوموا وبایعوہ ۔

میری یہ توقع تھی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہم سب کے بعد تک زندہ رہیں گے لیکن اگر محمدؐ نے وفات پائی ہے تو تمہارے پاس وہ نور موجود ہے (قرآن) جو تم کو راستہ دکھائیگا۔ جس پر اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چلایا تھا اور ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی رفیقِ غار ہیں اور وہ سب مسلمانوں سے زیادہ تمہارے معاملات کے انصرام کے اہل ہیں اب بڑھو اور ان سے بیعت کرو ۔

حضرت عمرؓ نے کلام ختم کر کے حضرت ابوبکرؓ سے اصرار کیا کہ منبر پر بیٹھے مگر وہ انکار کرتے رہے۔ آخر حضرت عمرؓ کا اصرار غالب آیا اور حضرت ابوبکر منبر پر بیٹھے لیکن اس مقام سے ایک درجہ نیچے جہاں حضرت سرورِ عالمؐ قیام فرماتے تھے۔ جلوس منبر کے بعد عام طور پر مسلمانوں نے بیعت کی (فبایعہ الناس عامۃً) بعد بیعت حضرت ابوبکر نے کھڑے ہو کر خطبۂ خلافت دیا۔ اوّل حمد وثنا الٰہی بیان کی پھر کہا :

اما بعد ایھا النّاس فواللہ ماکنت حریصًا علی الامارۃ یومًا ولا لیلۃ قط ولا کنت راغبًا فیھا ولا سالتھا اللہ عزوجلّ فی سرٍ وعلانیۃٍ ولکنی اشفقت من الفتنۃ ولکن کلّفت امرًا عظیمًا مالی بہ طاقۃٌ ولا یدانِ الّا بتقویۃ اللہ عزوجل ولوددت ان اقوی النّاس علیھا مکانی الیوم انّی قد ولیّت علیکم ولست بخیرکم فان احسنت فاعینونی وان اساءت فقوّمونی الصدق امانۃٌ والکذب خیانۃٌ والضعیف فیکم قویٌّ عندی حتّٰی اذیح علیہ حقہٗ انشاء اللہ والقوی منکم ضعیف حتّٰی اخذ الحق منہ انشاء اللہ ۔ لا یدع قومٌ الجھاد فی سبیل اللہ الا ضربھم اللہ بالذّلّ ولا یشیع الفاحشۃ فی قوم قط الاعمھم اللہ بالبلاء اطیعونی ما اطعت اللہ ورسولہٗ فاذا عصیت اللہ ورسولہ فلا طاعۃ لی علیکم قوموا الی صلوٰتکم رحمکم اللہ تعالٰے ۔

بعد حمد الٰہی اے لوگو واللہ مجھکو ہرگز امیر بننے کی حرص نہ کبھی دن میں تھی نہ رات میں اور نہ میرا میلان اسکی جانب تھا اور نہ میں نے اللہ سے ظاہر یا پوشیدہ اُس کیلئے دعا کی البتہ مجھکو یہ خوف ہُوا کہ کوئی فتنہ نہ اُٹھ کھڑا ہو مجھکو حکومت میں کچھ راحت نہیں ہے بلکہ مجھکو ایک ایسے امرِ عظیم کی تکلیف دیگئی ہے جسکے برداشت میں مجھ میں طاقت نہیں اور نہ وہ بدون اللہ وعزّوجلّ کی مدد کے قابو میں آسکتا ہے میری ضرور یہ آرزو تھی کہ آج میری جگہ سب سے زیادہ قوی آدمی ہوتا یہ تحقیق ہے کہ میں تمہارا امیر بنایا گیا اور میں تم سے بہتر نہیں ہوں اگر میں راہ راست پر چلوں تو مجھکو مدد دو اگر بے راہ چلوں مجھکو سیدھا کردو صدق امانت ہے اور کذب خیانت جو تم میں کمزور ہے وہ میرے لئے قوی ہے انشاء اللہ اسکا حق دلوا دونگا اور تم میں جو قوی ہے وہ میری نظر میں کمزور ہے اس سے انشاء اللہ حق لیکر چھوڑونگا۔ جو قوم راہِ حق میں جہاد چھوڑ دیتی ہے وہ ذلیل کردی جاتی ہے اور جس قوم میں بے حیائی کا رواج ہو جاتا ہے اس پر عام طور پر عذاب الٰہی نازل ہوتا ہے۔ جب تک میں اللہ اور اسکے رسولؐ کی اطاعت کروں تم میری اطاعت کرو اور جب میں خدا اور اسکے رسول کی نافرمانی کروں تمکو میری اطاعت نہ کرنی چاہیئے۔ اب نماز کیواسطے کھڑے ہو جاؤ خدا تم پر رحم کرے۔

بعد بیعت خلیفۂ رسول اللہ لقب پایا۔ ایک موقع پر کسی نے خلیفۃ اللہ کہکر مخاطب کیا تو کہا میں رسول اللہ کا خلیفہ ہوں اور اسی سے خوش ہوں۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفا میں معنی خلافت میں ایک لطیف بحث لکھی ہے اگرچہ اس کی اصلی شان تو خود شاہ صاحب کے الفاظ میں ہے مگر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسکا خلاصہ عام فہم پیرایہ میں یہاں بھی لکھ دیا جائے:

" یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے کہ سرورِ عالمؐ کی رسالت عام تھی اور آپ تمام بنی نوع انسان کی ہدایت کیواسطے مبعوث ہوئے تھے۔ بعد بعثت آپؐ نے جن امور کا اہتمام کوشش بلیغ کے ساتھ فرمایا اگر ان سب کا استقراء کر کے جزئیات سے کلیات بنائیں اور کلیات سے کلی واحد جو جنس اعلےٰ ہو تو ثابت ہوگا کہ تمام کوششوں کا مرجع اقامت دین تھی۔ یہ جنس اعلیٰ ہے اس کے تحت میں حسب ذیل کلیات آتی ہیں۔ علومؐ دین کا احیاء (قائم رکھنا اور رائج کرنا) علوم دین سے مراد ہے قرآن وسنت کی تعلیم اور وعظ ونصیحت۔ ارکانؐ اسلام۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ حج وغیرہ کا قیام واستحکام۔ لشکر کا تقررؐ، غزوات کا اہتمام، مقدماتؐ کا انفصال، قاضیوں کا تقرر۔ امر بالمعروفؐ (عمدہ افعال واوصاف کا حکم دینا اور ان کو رائج کرنا) ونہی عن المنکر (بری باتوں کو روکنا اور انکا انسداد کرنا) جوؐ حکام نائب مقرر ہوں انکی نگرانی کہ پابند حکم رہیں اور خلاف ورزی احکام نہ کریں۔ ان جملہ امور کا اہتمام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بہ نفس نفیس فرمایا اور ان کے انصرام کیواسطے نائب بھی مقرر فرمائے۔ وعظ ونصیحت فرمائی۔ صحابہ کو ممالک میں وعظ ونصیحت کیواسطے بھیجا۔ جمعہ وعیدین وپنج وقتہ نماز کی امامت خود فرمائی

دوسرے مقامات کیواسطے امام مقرر کئے۔ وصول زکوٰۃ کے واسطے عامل مامور کئے۔ وصول شدہ اموال کو مصارف مقررہ میں صرف کیا۔ رویت ہلال کی شہادت آپ کے حضور میں پیش ہوتی اور بعد ثبوت روزہ رکھنے یا عید کرنے کا حکم صادر ہوتا۔ حج کا اہتمام بعض اوقات خود فرمایا۔ بعض اوقات نائب مقرر کئے۔ جس طرح ۹ھ میں حضرت ابو بکرؓ کو امیر حج مقرر کر کے بھیجا۔ غزوات کی سپہ سالاری خود کی۔ نیز امراء نائب سے یہ کام لیا گیا۔ مقدمات ومعاملات فیصل کئے۔ قاضیوں کا تقرر عمل میں آیا۔ علیٰ ھذا القیاس باقی امور۔

آنحضرتؐ کی وفات کے بعد دین کے قیام وحفاظت کے واسطے ضروری تھا نائب مطلق یا خلیفہ کا تقرر تاکہ وہ اقامتِ دین کی مذکورہ بالا خدمات کو انجام دے۔"

جیشِ اسامہ

مرضِ وفات میں حضرت سرورِ عالمؐ نے ایک لشکر کی روانگی کا حکم دیا تھا جس کے سردار حضرت اسامہ بن زید مقرر فرمائے گئے تھے۔ مدینہ اور نواح مدینہ کے سات سو جوان اس مہم کے لیے نامزد ہوئے تھے۔ یہ مہم رومیوں کے مقابلہ پر اس لشکر اسلام کا انتقام لینے کے واسطے مامور ہوئی تھی جس کو رومیوں نے ۸ھ میں بمقام موتہ تباہ کیا تھا۔ مگر آپؐ کی علالت کی شدت اور وفات کے سبب روانگی نہ ہو سکی۔ حضرت ابو بکرؓ نے بیعت کے دوسرے روز حکم دیا کہ جیشِ اسامہ تیار ہو کر روانہ ہو۔ منادی نے ندا دی:

لیتم بعث اسامۃ الالا	اسامہ کے لشکر کو تیار ہو جانا چاہیئے۔ تاکید کی
یبقین بالمدینۃ احدٌ الا	جاتی ہے کہ جو لوگ اس مہم میں نامزد ہیں

خرج الی عسکر بالجرف[1] — میں سے ایک آدمی بھی مدینہ میں نہ رہے اور سب کے سب اپنے پڑاؤ پر بمقام جرف جمع ہو جائیں۔

یہ پہلا حکم تھا جو حضرت ابو بکرؓ نے بحیثیت خلافت جاری کیا۔ اسی عرصہ میں کہ لشکر چھاؤنی میں جمع ہوا اور اُسکی روانگی عمل میں آئے عرب کے ارتداد اور یہود و نصاریٰ کی سرکشی کی خبریں متواتر مدینہ میں آنے لگیں۔ ان خبروں سے مسلمانوں کا تردد بڑھا۔ مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ وقت مسلمانوں کے لیے نہایت سخت تھا۔ مصیبت عظمیٰ حضرت سرور عالم کے سایہ کا سروں سے اٹھ جانا تھا۔ اسی کیساتھ عرب میں ارتداد پھیل رہا تھا۔ یہود و نصاریٰ نے ان حالات کو دیکھ کر سرکشی شروع کر دی تھی۔ اس پر طرہ مسلمانوں کی قلت دشمنوں کی کثرت صحابی جلیل القدر حضرت عبداللہ بن مسعود کا قول ہے کہ اس وقت مسلمان بکریوں کے اس گلہ سے مشابہ تھے جو جاڑوں کی سرد رات میں بحالت بارش میدان میں بے گلہ بان کے رہ جائے۔ ان حالات پر نظر کر کے صحابۂ کرام نے امیر المؤمنین سے کہا کہ جو لشکر اسامہ میں جا رہے ہیں وہ مسلمانوں کے چیدہ و منتخب افراد ہیں۔ عرب کی حالت آپ کی نگاہ کے سامنے ہے اس صورت میں مسلمانوں کی جمعیت کو متفرق کرنا مناسب نہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے جواب دیا

والذی نفسی بیدہ لو ظننت — قسم ہے اُس ذات کی جسکے قبضہ میں میری جان ہے
ان السباع تخطفنی لانفذت جیش — اگر مجھ کو یہ گمان ہوتا کہ درندے مجھکو اُٹھا لے جائینگے
اسامۃ کما امر بہ رسول اللہ صلی اللہ — تو بھی بہ تعمیل حکم رسول اللہ اسامہ کا لشکر ضرور بھیجتا
علیہ وسلم ولو لم یبق فی القرای — اگر بستیوں میں سوائے میرے ایک متنفس بھی باقی نہ رہتا تو بھی

[1] جرف، مدینہ کے باہر ایک میدان تھا۔

غیری لانفذتہ — روانگی کا حکم یقیناً دیتا۔

اس کے بعد بہ خیال مزید اہتمام مسلمانوں کے سامنے مجمع عام میں خطبہ دیا اور تیاری لشکر کی تاکید کی۔ جب تمام لشکر جُرف کے پڑاؤ پر جمع ہو گیا تو حضرت اسامہ امیر لشکر نے حضرت عمر کی زبانی حضرت ابو بکر سے کہلا بھیجا کہ مجھ کو اندیشہ ہے کہ میری روانگی کے بعد کفار خلیفۂ رسول اللہ حرم نبوی اور باقی مسلمانوں پر دوڑ پڑیں گے اسلیے اگر آپ اجازت دیں تو مع لشکر مدینہ چلا آؤں۔ اسی کے ساتھ انصار نے پیغام بھیجا کہ آپ لشکر روانہ ہی کریں تو بجائے اُسامہؓ[1] کے کسی سن رسیدہ آدمی کو سردار مقرر کیجئے۔ پہلا پیام سُن کر حضرت ابو بکرؓ نے قریباً وہی جواب دیا جو اُوپر مذکور ہُوا۔ جب حضرت عمر نے انصار کے پیام کو سُنایا تو حضرت صدیق غصّہ سے بے تاب ہو کر کھڑے ہو گئے۔ اور کہا تم کو موت ہو۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسامہ کو امیر لشکر بنایا تم مجھ ہدایت کرتے ہو کہ میں اُس کو معزول کر دوں۔ اس جواب کے بعد جُرف کے پڑاؤ پر خود گئے اور رخصت کر کے لشکر کو کوچ کا حکم دیا۔ جب کوچ ہوا تو حضرت اسامہؓ گھوڑے پر سوار تھے حضرت ابو بکرؓ پیادہ پا ساتھ چل رہے تھے۔ خلیفہ کا کوتل گھوڑا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے ہاتھ میں تھا۔ حضرت اسامہؓ نے آپ کو کہا یا آپ سوار ہو لیں یا مجھکو پیادہ چلنے کی اجازت دیں جواب دیا کہ نہ میں سوار ہونگا نہ تم کو پیادہ چلنے کی اجازت ملے گی۔ اگر مَیں ایک ساعت راہِ خُدا میں اپنے قدم خاک آلود کر دوں تو میری کیا شان جاتی ہے۔ غازی راہِ خدا میں جو قدم رکھتا ہے اسکے بدلہ میں سات سو درجے بلند کئے جاتے ہیں۔ سات سو گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ سات سو نیکیاں نامۂ اعمال

[1] حضرت اسامہؓ کا سن اس وقت انیس برس کا تھا۔

لکھی جاتی ہیں۔ اس کے بعد لشکر کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

یا ایها الناس قفوا اوصیکم بعشر
فاحفظوها عنی لا تخونوا ولا تغلوا ولا
تغدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا طفلا ولا
شیخا ولا امراة ولا تعقروا نخلا ولا
تحرقوه ولا تقطعوا الشجرة المثمرة
ولا تذبحوا شاة ولا بقرة ولا بعیرا
الا لما کلة وسوف تمرون
باقوام قد فرغوا انفسهم
بالصوامع فدعوهم وما فرغوا
انفسهم وسوف تقدمون علی
قوم یاتونکم بانیة فیها الوان
الطعام فاذا اکلتم منها شیئا
بعد شیء فاذکروا اسم الله
علیها وتلقون اقواما قد فحصوا
اوساط رؤسهم وترکوا حولها
مثل العصائب فاخفقوهم بالسیف
خفقا اندفعوا باسم الله افناکم الله
الطعن والطاعون۔

اے آدمیو! کھڑے ہو جاؤ میں تم کو دس حکم دیتا ہوں
انکو میری جانب سے اچھی طرح یاد رکھنا۔ خیانت
کرنا دھوکہ نہ دینا، سردار کی نافرمانی مت کرنا، کسی
کے اعضاء مت کاٹنا کسی بچے بوڑھے یا عورت کو قتل
نہ کرنا۔ کھجور یا اور کسی میوہ دار درخت کو نہ کاٹنا
نہ جلانا، بکری، گائے یا اونٹ کو سوائے غذا کی
ضرورت کے نہ مارنا۔ تم کو ایسے لوگ ملیں گے جو
عبادت گاہوں میں گوشہ گیر ہو کر بیٹھے ہوں گے ان
کو ان کے حال پر چھوڑ دینا۔ اور تم کو ایسے آدمی
ملیں گے جو تمہارے پاس قسم قسم کے کھانے برتنوں
میں رکھ کر لائیں گے۔ جب تم ان کھانوں کو
یکے بعد دیگرے کھاؤ تو خدا کا نام لیتے جانا
(یعنی نعمتیں پاکر خدا کو نہ بھول جانا) اور تم کو
ایک ایسی قوم ملے گی جن کے سر کے بال بیچ میں
منڈے ہوں گے اور پیچھے چھوٹے ہوں گے
ان کو تازیانہ کی سزا دی جائے خدا کا نام
لیکر روانہ ہو خدا تم کو (دشمن کے) حربہ اور طاعون
کے حملے سے محفوظ رکھے۔

یہ لشکر غرہ ربیع الآخر کو (یعنی آنحضرتؐ کی وفات کے ٹھیک انیس روز بعد)
مدینہ سے روانہ ہوا۔ منزل مقصود پر پہنچا اور باختلاف روایت چالیس دن
یا اس سے کسی قدر زائد عرصہ میں ارشاد نبوی کی تعمیل کر کے مع الخیر واپس آگیا۔ مورخین
کا قول ہے کہ اس لشکر کی روانگی سے قبائل عرب میں دھاک بندھ گئی اور انہوں نے خیال
کیا کہ اگر مسلمانوں میں قوت نہ ہوتی تو اس لشکر کو مدینہ سے باہر نہ بھیج دیتے۔

ارتداد

فتح مکہ[1] کے بعد کثرت سے قبائل عرب نے اپنے وفد آنحضرتؐ کی خدمت
میں بھیجے اور اسلام سے مشرف ہوئے۔ چنانچہ سیرت میں ۹ھ کا نام
"سنۃ الوفود" ہے۔ اسی سلسلہ میں یمن کے زبردست قبیلے بنو خلیفہ کا وفد بارگاہ رسالت
میں حاضر ہوا۔ وفد مذکور میں مسیلمہ بھی تھا۔ اسمیں اختلاف ہے کہ مسیلمہ جمال نبویؐ کے
دیدار سے مشرف ہوا یا نہیں۔ بہر حال یہ وفد مسلمان ہو کر واپس آگیا اور اس کی واپسی پر
قبیلہ بنو حنفیہ اسلام لے آیا۔ ۱۰ھ کے آخر میں حضرت سرور عالمؐ نے حضرت علیؓ
کو اہل یمن کی ہدایت کے واسطے بھیجا۔ اس سے قبل چھ مہینے تک حضرت خالد
بن ولید نے تبلیغ اسلام کی مگر کچھ اثر نہ ہوا۔ حضرت شیر خدا کی آمد کی خبر سن کر
کثرت سے یمنی سرحد پر استقبال کو آئے۔ صبح کی نماز حضرت علیؓ نے باجماعت
ادا فرمائی۔ بعد نماز سب اہل یمن صف بستہ سامنے کھڑے ہو گئے۔ حضرت علیؓ
نے ان کو مخاطب کر کے اول حمد و ثنائے الٰہی بیان فرمائی۔ اس کے فرمان
رسالت سنایا اور تلقین اسلام کی۔ اس تلقین کا یہ اثر ہوا کہ اسی روز تمام ہمدان
مسلمان ہو گیا۔ بعد کامیابی حضرت علی مرتضیٰ نے مراجعت فرمائی اور حجۃ الوداع کے

---

[1] مکہ ۸ھ کے آخری حصہ میں فتح ہوا۔

موقع پر بمقام عرفات آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ غرض ۹ھ اور ۱۰ھ میں ملک یمن محض تبلیغ کے اثر سے دائرۂ اسلام میں داخل ہوا۔ ۹ھ میں زکوٰۃ فرض ہوئی اور آپ نے اس کی وصولی کیواسطے عمال مختلف اطراف میں مقرر فرمائے۔ یمن میں باذان کو بدستور سابق تمام یمن کا عامل رکھا۔ حجۃ الوداع میں باذان کی وفات کی خبر پہنچی اور آپ نے اسی موقع پر جدید انتظام فرمایا۔ ملک یمن مختلف حصّوں پر تقسیم کیا گیا اور ہر حصّہ پر جداگانہ عامل کا تقرر ہُوا۔ حضرت معاذ بن جبل اس خدمت پر مامور ہوئے کہ تمام ملک یمن میں دورہ کر کے احکام اسلام کا اجراء کرتے ہیں۔ اسی عرصہ میں پہلا کاذب مدعی نبوت یمن میں بمقام صنعاء پیدا ہُوا جس کا نام اسود عنسی تھا۔ اس کو بیحد فوری کامیابی ہُوئی اور چند ہی دن میں اُس نے ہر طرف آتش فساد مشتعل کر دی قبیلۂ بنی اسد میں طلیحہؓ نے دعویٰ نبوّت کیا۔ تیسرا مدعی نبوّت مسیلمہ کذابؔ تھا۔ اسود عنسی کی کامیابی دیکھ کر اسکو بھی جرأت ہوئی اور دعوئے نبوّت کا منصوبہ قائم کر کے اس نے اعلان کیا کہ محمد رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے مجھکو شریک رسالت کر لیا ہے۔ انتہائے خیرہ سری یہ تھی کہ ۱۰ھ کے آخر میں اس نے ذیل کا خط آپ کی خدمت میں بھیجا:

من مسیلمة رسول اللہ الی محمد رسول اللہ فانی قد اشترکت معک فی الامر وان لنا نصف الارض ولقریش نصفها ولکن قریشا قوم یعتدون۔

مسیلمہ رسول کی طرف سے محمدؐ رسول کے نام میں رسالت میں تمہارا شریک کیا گیا ہوں۔ آدھی زمین ہماری ہے اور آدھی قریش کی مگر قریش ایسی قوم ہیں جو ظلم کرتے ہیں۔

اس کے جواب میں یہ فرمانِ رسالت مدینہ سے جاری ہُوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من محمد رسول اللہ الی مسیلمة الکذاب۔ امّا بعد فالسلام علیٰ من اتبع الهدیٰ۔ فانّ الارض للہ یورثها من یشاء من عبادہ و العاقبة للمتقین۔

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان بخشنے والا ہے۔ محمد رسول اللہ کی جانب سے مسیلمہ کذاب کے نام بعد حمد پس سلام ہو اس پر جو راہِ راست کے پیروی کرے پھر یہ تحقیق ہے کہ ساری زمین اللہ کی ہے اپنے بندوں میں سے وہ جسکو چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور عاقبت پرہیزگاروں کے حصّہ میں ہے۔

حضرت سرورِ عالمؐ نے حسب عادت شریف اوّل ان مُدعیانِ نبوّت کو بذریعہ پند و نصیحت سمجھایا متعدد مراسلات بھیجے لیکن کچھ اثر نہ ہوا مرتدوں نے مسلمانوں پر دست درازی و تعدی شروع کی اور جمعیت فراہم کر کے مقابلہ و مقاتلہ کا سلسلہ جاری کر دیا۔ جب نوبت اس حد تک پہنچی تو آپؐ نے انکے دفعیہ کے واسطے عمال کے نام احکام جاری فرمائے اور یہ اہتمام مرض وفات کی شدت میں بھی برابر جاری رہا۔ اسود عنسی کا خاتمہ آپ کی حیات مبارکہ میں ہو گیا اور آپ نے یہ خبر مسلمانوں کو سُنا دی۔ اس بیان سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آنحضرتؐ کی وفات کے وقت جھوٹے مدعیانِ نبوّت اور اُن کے پیرووں کی کیا کیفیت تھی۔ جس وقت آپؐ کی رحلت کی خبر شائع ہوئی ان قبائل میں اور اُنکے اثر سے دوسرے جدید الاسلام قبیلوں میں اضطرابِ عظیم پیدا ہُوا اور تمام ملک یمن میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ مسلمان عامل ہٹا دیئے گئے اور مرتدین نے دخل کر لیا۔ اسود عنسی اگرچہ مر چکا تھا لیکن اس کی فوج مختلف حصّہ ہائے ملک میں منتشر تھی اب وہ پھر جمع ہو کر ایک لشکرِ عظیم بن گئی۔ اسی کے

ساتھ ساتھ نواح مدینہ میں ارتداد و سرکشی پیدا ہوئی۔ خلاصہ یہ کہ مدینہ کے باہر صرف دو قبیلے ایسے تھے جو تمام و کمال اسلام پر رہے یعنی قریش و ثقیف باقی تمام قبائل میں کم و بیش ارتداد کا فساد پھیلا نے کل کے کل مرتد ہو گئے۔ بعض میں کچھ مسلمان رہے کچھ مرتد ہو گئے۔ ارتداد کا زور زیادہ تر دو طرف تھا ایک یمن میں، دوسرے نواح مدینہ کے قبائل میں اور یہ سب کے سب جدید الاسلام تھے۔ معرکہ طبع طبائع نے اپنے عروج و سرداری کا حیلہ دعوئے نبوت و ارتداد قرار دے لیا تھا۔ واقعات ذیل سے اس بیان کی صحت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ قبیلہ بنی عامر میں سردار عامر بن الطفیل تھا وہ اعلانیہ کہتا تھا کہ میں تمام عرب کی امارت کا متمنی ہوں۔ ایک قریشی کا اتباع کیسے کر سکتا ہوں۔ قبیلۂ غطفان قبیلۂ بنی اسد کا حلیف تھا۔ غطفانی کہتے تھے کہ ہم اپنے حلیف اسدیوں کے نبی (طلیحہ) کو چھوڑ کر رسول قریشی کی پیروی کیوں کریں؟ قریش کے نبی نے وفات پائی اسد کا نبی زندہ ہے قبیلۂ عبد القیس میں مرتدوں کا نشان بردار غرور نعمان بن منذر کا پوتا تھا۔ یہ نعمان بن منذر اس خاندان حمیر کی اخیر یادگار تھا جس نے صدیوں تک یمن میں حکومت کی تھی۔ دعوی نبوت کی انتہائی ارزانی یہ تھی کہ سجاح نامی ایک عورت بھی مدعیٔ نبوت بن بیٹھی۔ اس نے یمن میں نبی ہونیکا اعلان کیا۔ قبیلۂ بنی تغلب (جو نصرانی تھا) اپنا مذہب چھوڑ کر اسکی امامت میں شامل ہوا۔ مدعیان نبوت کے احکام بھی عجیب تھے۔ طلیحہ کی نکتہ سنجی ملاحظہ ہو نماز کے ارکان میں سجدہ موقوف کر دیا۔ مسیلمہ کے حکم سے شراب اور زنا مباح و حلال قرار پایا۔ جب اس نے سجاح مدعیہ نبوت سے نکاح کیا تو اس کے مہر میں دو وقت کی نماز معاف کر دی۔ ایک صبح کی دوسری عشاء کی۔ وجہ یہ ظاہر کی کہ ان سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ فتنۂ ارتداد کے سلسلہ میں یہ بات ذہن نشین

رکھنی چاہیئے کہ باوجود اس قدر فتنہ و فساد اور ہنگامے کے ایک شخص بھی ایسا مرتد نہیں ہوا جو قدیم الاسلام اور مذہب میں راسخ ہو چکا تھا۔ عموماً جدید الاسلام قبیلے مرتد ہوئے ان میں بھی اکثر عوام فتنہ جو تھے چنانچہ طلیحہ کے نشان کے نیچے زیادہ تر قبیلۂ طے اور اسد کے عوام الناس کا ہجوم تھا۔ حضرت ابوبکر نے فراست ایمانی سے آغاز ہی میں اس ہنگامے کی قوت کا پورا اندازہ فرما لیا تھا۔ چنانچہ یمن سے جب ابتداءً قاصد آئے تو خط دیکھ ان سے فرمایا ابھی صبر کرو اسکے بعد جو خط آئیں گے ان میں اس سے بھی زیادہ سخت خبریں ہونگی اور ہُوا بھی یہی اس کے بعد ہی ہر طرف سے امراء مسلمین کے مراسلے آنے لگے جن میں قبائل کے ارتداد اور اُن مظالم کی اطلاع درج تھی جو مرتدوں کے ہاتھ سے مُسلمانوں پر ہوتے تھے۔ نواح مدینہ کے قبائل نے مرتد ہو کر بالاتفاق مدینہ کا رُخ کیا۔ بنی اسد سمیراء[1] میں، فرازہ اور غطفان کا ایک حصّہ جنوب مدینہ میں ثعلبہ و مرہ و عبس کا ایک حصّہ ابرق[2] میں دوسرا ذو القصہ[3] میں خیمہ زن ہوا۔ اسی زمانہ میں حضرت عمرو بن العاص اس راستہ سے مدینہ پہنچے اور بیان کیا کہ دباء[4] سے لیکر مدینہ تک برابر مرتد فوجیں پڑی ہوئی ہیں۔ ان قبائل نے اس طرح مدینہ کو گھیر کر اپنے قاصد حضرت ابوبکر کی خدمت میں بھیجے یہ آگ کس قدر جلد بھڑکی تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ بیعت خلافت کے دسویں روز ایلچی مدینہ پہنچ گئے تھے۔ مدینہ پہنچکر قاصد مختلف عمائد کے یہاں مقیم ہوئے۔ عم رسول حضرت عباس کی یہ خصوصیت تھی کہ انہوں نے کسی قاصد کو اپنے مکان پر ٹھہرنے نہیں دیا۔

---

[1] سمیرا: مکہ کے راستہ میں ایک منزل [2] ابرق: بنی ذبیان کا وطن [3] ذو القصہ مدینہ سے ایک منزل بجانب نجد [4] دباء ایک قدیم مشہور شہر یمن کا قریب ریدہ۔

ایلچیوں نے اول ان مسلمانوں سے گفتگو کی جنکے یہاں ٹھہرے تھے اسکے بعد متفق ہو کر حضرت ابوبکر کے پاس گئے اور بالاتفاق یہ پیام پہنچایا کہ ہم سے نماز پڑھوا لو مگر زکوٰۃ معاف کر دو۔ ان کا پیام سُن کر حضرت صدیق اکبر نے صحابۂ کرام سے مشورہ کیا سب نے یہ صلاح دی کہ نرمی مناسب وقت ہے۔ حضرت عمر بھی اس رائے میں شریک تھے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں :

یا خلیفۃ رسول اللہ تالف النّاس وارفق بھم۔	اے خلیفۂ رسول اللہ ان لوگوں کیساتھ تالیف قلوب اور نرمی کا برتاؤ کیجئے۔

حضرت ابوبکرؓ نے یہ مشورہ سُن کر حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے فرمایا :

اجبّارٌ فی الجاھلیۃ وخوارٌ فی الاسلام انہ قد انقطع الوحی وتم الدّین اینقص وانا حی واللہ لاجاھدنھم ولو منعونی عقالا۔	یہ کیا کہ تم جاہلیت میں تو بڑے سرکش تھے مسلمان ہو کر ذلیل وخوار بن گئے وحی کا سلسلہ قطع ہو گیا دین کمال کو پہنچ چکا کیا میری زندگی میں اسکی قطع وبرید کیجائے گی واللہ اگر (فرض زکوٰۃ میں سے ایک رسّی کا ٹکڑا دینے سے بھی لوگ انکار کرینگے تو میں جہاد کا حکم دوں گا۔

فاروق اعظم کا مقولہ ہے کہ اس کلام کو سُنکر مجھ پر منکشف ہو گیا کہ اللہ نے ابوبکر کا سینہ جہاد کیواسطے کشادہ کر دیا ہے۔ صحابۂ کرام کے مشورہ کے بعد حضرت صدیق نے جواب مذکور الصدر سُنا کر ایلچیوں کو ناکام واپس کر دیا۔ اسی عرصہ میں جیش اسامہ مدینہ سے روانہ ہو چکا تھا۔ قاصد واپس گئے تو انہوں نے مسلمانوں کی بے سروسامانی اور قلت بیان کی ادھر قاصدوں کو رخصت کر کے حضرت ابوبکر نے مدینہ کی حفاظت کا اہتمام کیا۔ شہر کے ناکوں پر حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت عبداللہ بن مسعود کو مقرر کیا۔

عام اہلِ مدینہ کو جمع کر کے حکم سُنایا کہ عرب میں ارتداد پھیلا ہُوا ہے۔ قاصد تمہاری حالت اپنی آنکھوں سے دیکھ گئے ہیں۔ دُشمن کے بعض حصّے تم سے صرف ایک منزل کے فاصلہ پر ہیں معلوم نہیں تم پر کس وقت حملہ کر دیں ان کو امید تھی کہ ہم انکی درخواست منظور کریں گے مگر وہ رد کر دی گئی۔ لہٰذا تم کو ہر وقت مسلح مسجد نبوی میں حاضر رہنا چاہیئے۔ اس حکم کے مطابق تمام اہلِ مدینہ مستعد رہتے تھے۔ قاصدوں کی واپسی کے تیسرے دن دُشمنوں نے مدینہ پر حملہ کیا۔ ایک حصّہ فوج ان کی مدد کے واسطے ذی حسّی[1] میں تیار تھا جب دُشمن کی جمعیت مدینہ کے ناکوں پر پہنچی تو محافظ ہوشیار تھے انہوں نے حملہ روک کر امیر المؤمنین کے پاس اطلاع بھیجی۔ حضرت ابوبکر نے کہلا بھیجا کہ تم اپنی اپنی جگہ قائم رہو۔ میں فوراً موقع پر آتا ہوں چنانچہ اہل مدینہ کی جمعیت لے کر موقع پر پہنچے اور دُشمنوں پر حملہ کیا۔ مسلمانوں کے حملہ سے کفار کے قدم اُکھڑ گئے اور بھاگنا شروع کیا۔ مسلمانوں نے ذی حسّی تک تعاقب کیا وہاں کی فوج نے پہلے سے بہت سی مشکوں میں ہوا بھر رکھی تھی جیسے ہی مسلمان سوار پہنچے وہ مشکیں سامنے لڑھکا دیں۔ اُونٹ قدرتاً اس سے بہت ڈرتا ہے مسلمانوں کے اونٹ ڈر کر پیچھے کو بھاگے اور مدینہ پہنچ کر دم لیا۔ مرتدوں نے خیال کیا کہ مسلمان بھاگ گئے اس سے اُنکی جرأت بڑھی۔ ذی حسّی کی پشت پر جو فوج بمقام ذوالقصہ تھی اسکو بھی آگے بُلا لیا اور دُشمن کی کل جمعیت ذی حسّی میں مدینہ کے قریب جمع ہو گئی۔ حضرت ابوبکر نے اسی روز دُوسرے حملہ کا انتظام کیا اور شبا شب کُوچ کر کے صبح ہوتے ہوتے مرتدوں کے لشکر پر چھاپہ مارا۔ طلوعِ آفتاب کے وقت دُشمن کو ہزیمت ہوئی۔

---

[1] ذی حسّی ایک مقام ہے ؛

سردارِ لشکر حبال (جو طلیحہ مدعی نبوت کا قوت بازو تھا) مارا گیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے
ذوالقصہ تک تعاقب کیا۔ وہاں حضرت نعمان بن مقرن کو مع ایک حصۂ فوج کے
متعین کیا اور خود مدینہ کو واپس چلے آئے۔ اس شکست سے کفار کا جوش زیادہ
بڑھا اور تمام قبائل نے اپنے اپنے یہاں کے مسلمانوں کو طرح طرح کی اذیتیں
دیکر قتل کرنا شروع کیا۔ اعضاء کاٹتے تھے۔ آگ میں زندہ جلاتے تھے۔ اوّل
قبیلہ ذبیان و عبس نے یہ سفاکی شروع کی پھر ان کے قرب وجوار کے تمام قبیلوں
میں پھیل گئی۔ جب ان مظالم کی اطلاع حضرت ابوبکر کو ہوئی تو انہوں نے قسم
کھا کر فرمایا کہ مسلمانوں کے مصائب کا بدلہ لیا جائیگا۔ ذوالقصہ کی فتح کا مسلمانوں
پر یہ اثر ہوا کہ تمام قبائل میں جس قدر مسلمان تھے وہ اسلام پر زیادہ شدت سے
قائم ہوگئے اور ان میں تازہ جوش و عزم پیدا ہوگیا۔ بعض قبائل نے زکوٰۃ کا روپیہ
بھیج دیا۔ غرض مختلف تدابیر سے حضرت صدیق اکبر مدینہ کی حفاظت فرماتے رہے۔
یہاں تک کہ حضرت اسامہ کا لشکر مدینہ واپس آگیا ان کو حفاظتِ مدینہ پر مامور
کرکے حضرت ابوبکر نے کہا کہ اب تم آرام لو ہم دشمن کے مقابلہ پر جاتے ہیں بقیہ فوج
فراہم ہوئی اور اسکے امیر خود خلیفۂ رسول اللہ بنے۔ مسلمانوں نے یہ دیکھ کر کہا کہ آپ
خود مہم پر نہ جائیں اگر آپ کو صدمہ پہنچ گیا تو اسلام کا سارا نظام درہم برہم ہو
جائیگا اور کسی کو سردار مقرر کیجئے وہ کام آئے تو دوسرا مقرر ہو مگر یہ صلاح پذیرا نہ
ہوئی اور حضرت ابوبکر لشکر کو ہمراہ لے کر ذوالقصہ ہوتے ہوئے پرگنہ ربذہ؎ کے
ابرق نامی مقام پر پہنچے وہاں دشمن سے مقابلہ ہوا اہلِ ایمان فتح یاب ہوئے۔

؎ ربذہ: ایک گاؤں مدینہ سے ۳ میل

فرمانِ خلافت کے مطابق ابرق مجاہدین کے گھوڑوں کی چراگاہ بنادیا گیا۔ لشکرِ اسامہؓ
آرام لے چکا تھا۔ زکوٰۃ کا روپیہ زیادہ مقدار میں وصول ہونے لگا تھا۔ اس لیے
حضرت ابوبکر نے تہیہ فرمایا کہ مرتدوں کا استیصال پوری طرح کر دیا جائے۔ بعد فتح
نواحِ ابرق میں قیام کرکے تمام مرتد قبائل کے مقابلہ کا انتظام فرمایا۔ گیارہ فوجیں مامور
کی گئیں کہ مختلف حصص مُلک میں جاکر دشمنانِ اسلام کا مقابلہ کریں۔ اُس زمانے میں
ملازمت کا سلسلہ نہ تھا مسلمانوں کے تمام کام محض رضاء الٰہی کے واسطے ہوتے تھے۔
فوج کا انتظام بھی رضاکارانہ تھا اجتماع لشکر کا طریقہ یہ تھا کہ ایک شخص امیر لشکر مقرر
ہوکر مہم پر مامور ہوتا تھا اور اسکی ہمراہی کیواسطے قبائل نامزد ہوکر احکام جاری کئے
جاتے تھے۔ زمانۂ رسالت میں آپ اپنے دستِ مبارک سے اور دورِ خلافت میں خلفاءؓ
اپنے ہاتھ سے نشان بنا کر سردار کو دیتے۔ اس نشان کو لے کر امیر پڑاؤ پر خیمہ زن ہوتا
اور میعاد معین کے اندر سپاہ نشان کے نیچے آکر فراہم ہوجاتی یا یہ ہوتا کہ امیر نشان
لیکر نامزد شدہ قبائل کے قریب سے روانہ ہوتا اور ہر قبیلہ کے فوجی جوان کیساتھ
ہوتے جاتے، ہتھیار سواری وغیرہ کی مدد خزانے سے کی جاتی نیز سپاہی اپنے
ہتھیار خود ہمراہ لاتے اس زمانہ میں عرب کا بچہ بچہ ہتھیاروں سے آراستہ تھا۔
اسی طرح بمقام ذوالقصہ حضرت ابوبکر نے گیارہ نشان تیار کرکے امراء لشکر کو دیئے
اور ان کی مدد کے واسطے قبائل مقرر فرمائے۔ ہر سردار کو اسکی مہم اور طرزِ عمل کی
پوری ہدایتیں دی گئی تھیں یعنی وہ کس دشمن کا مقابلہ کرے اس سے فارغ ہوکر
کس طرف بڑھے کونسا لشکر کس کی مدد کرے۔ علیٰ ہذا القیاس حضرت خالد طلیحہ کے
مقابلہ پر مامور ہوئے۔ حضرت عکرمہ مسیلمہ کے مقابل۔ اسود عنسی کی مہم پر مہاجرین

آل زبیر وغیرہ وغیرہ ۔ خاص ہدایات کے علاوہ عام احکام تھے جو کل امراء کے واسطے دستور العمل تھے ۔ ہر فوج کے ساتھ ایک فرمانِ خلافت تھا جسمیں مخالفین سے خطاب کیا گیا تھا اور ان کو مخالفت سے باز آنے اور مسائل اسلام کی جانب رجوع کرنیکی ہدایت و ترغیب تھی ۔ اسمیں یہ بھی درج تھا کہ فلاں سردار مہاجرین و انصار و تابعین کا لشکر لے کر تمہارے مقابلہ پر آتا ہے اُس کو یہ حکم ہے کہ اول کسی سے وہ قتال و جنگ نہ کرے بلکہ دعوتِ اسلام دے جو قبول کرے اسکو امن بخشی جائے جو عناد پر قائم رہیں اُن سے لڑے اور پُوری شدت کے ساتھ لڑے ۔ اس فرمان کی بابت حکم تھا کہ لشکر کے آگے آگے قاصد لے کر جائیں اور لشکر پہنچنے سے پہلے مجمع عام میں پڑھکر سنائیں ۔ ذریعۂ اجتماع اذان ہو جو لوگ اذان سُنکر فراہم ہو جائیں ان کو احکام خلافت سنائے جائیں جو جمع نہ ہوں اُن سے مقابلہ کیا جائے ۔ علاوہ فرمان بالا کے ایک اور مراسلہ ہر لشکر کیساتھ تھا جس میں سردار لشکر کے واسطے احکام تھے ۔ تمام مہمات کا بیان باعثِ طول ہو گا اس لیے صرف دو مہموں کا ذکر کیا جاتا ہے ایک میں نمونہ آشتی ہے دُوسرے میں نمونۂ رزم ۔

مہم قبیلۂ طے[1] (نمونۂ آشتی)

حضرت خالد بن ولید کا تقرر طلیحہ مدعی نبوت کے مقابلہ پر ہُوا تھا مدعی مذکور کے ساتھ عوام قبیلۂ طے کا بڑا مجمع تھا اس لیے حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عدی بن حاتم کو اوّل روانہ کیا کہ اپنے قبیلہ کو وہ فہمائش کر کے تباہی سے بچائیں ۔ آگے آگے حضرت عدی اور ان کے پیچھے لشکر اسلام روانہ ہُوا ۔ حضرت عدی نے منزلِ مقصود پر پہنچ کر اپنے قبیلہ کو جمع کیا اور فہمائش کی لیکن

[1] مشہور حاتم طائی کا قبیلہ ۔

بے سُود ۔ دوبارہ پھر سمجھایا اس مرتبہ نصیحت کارگر ہُوئی ۔ وعدۂ اطاعت کے ساتھ اُنہوں نے یہ درخواست کی کہ ہم کو اتنی مہلت دی جائے کہ اپنے اہل و عیال کو طلیحہ کے لشکر سے نکال لائیں ورنہ ہماری اطاعت کی اُن پر مصیبت پڑے گی ۔ ہماری واپسی تک خالد کا لشکر روک دیا جائے ۔ حضرت عدی نے یہ پیام حضرت خالد کو پہنچایا ۔ تین روز کی مُہلت منظور ہوئی اس عرصہ میں قبیلۂ طے کے آدمی اپنے اہل و عیال کو لشکر طلیحہ سے ترکیب کے ساتھ لے آئے اور تجدید اسلام کے بعد حضرت خالد کے پاس حاضر ہو گئے اسطرح یہ مہم حسن و خوبی کے ساتھ بغیر خون ریزی کے طے ہو گئی ۔ مہم طے کے ختم ہونے کے بعد حضرت خالد نے قبیلۂ جدیلہ کی طرف رخ کیا ۔ حضرت عدی نے کہا کہ قبیلۂ طے مثل ایک پرندہ کے ہے جس کا ایک باز و جدیلہ ہے ۔ مجھ کو اجازت ہے کہ ان کو جاکر فہمائش کروں ۔ اجازت ملی تو حضرت عدی نے کوشش بلیغ کے ساتھ سمجھایا ۔ نتیجہ حسب مراد نکلا ۔ جب حضرت خالد اس مہم سے فارغ ہو کر آگے بڑھے تو قبیلۂ طے کے ایک ہزار سوار اُن کے ہمرکاب نصرتِ اسلام کے لیے کمربستہ تھے ۔ مورخین نے عدی کی مساعی کی تحسین ان الفاظ میں کی ہے :

وکان خیر مولود ولد فی ارض طی واعظم برکة علیھم ۔	وہ قبیلۂ طے کے بہترین فرزند تھے جن کی وجہ سے برکتِ عظیم نازل ہُوئی ۔

طلیحہ نے حضرت خالد کے مقابلہ پر شکست کھائی اور شام کو بھاگ گیا وہاں پہنچکر دوبارہ اسلام لایا ۔ ایک مرتبہ خلافت صدیقی کے زمانہ میں طلیحہ ادائے عمرہ کو مکہ جاتا تھا جب مدینہ کے کنارے پر پہنچا تو کسی نے جھپٹ کر حضرت ابوبکر کو اطلاع دی کہ طلیحہ جا رہا ہے سُن کر فرمایا کہ اب وہ داخلِ اسلام ہو چکا اس سے کچھ تعرض نہیں کیا جا سکتا ۔

جانے دو خلافت فاروقی میں طلیحہ نے مدینہ آکر بیعت کی۔

مسیلمہ کذاب (معرکۂ رزم) اگرچہ مرتدین کے تمام معرکے نہایت سخت اور حوصلہ زور تھے مگر مسیلمہ کذاب کا معرکہ شدت وقوت میں سب سے بڑھ کر تھا۔ مسیلمہ کا قبیلہ بنو حنیفہ تھا اور وطن یمامہ واقع ملک نجد۔ اس کا یہ دعویٰ تھا کہ مجھ کو رسول اللہ نے شریک رسالت کر لیا ہے۔ اس دعویٰ کی تائید کے لیے نہار نامی ایک شخص اس کے ہاتھ آگیا۔ نہار نے مدینہ میں شرف حضوری سے مشرف ہو کر قرآن و مسائل دین کی تعلیم حاصل کی تھی۔ جب مسائل ضروری حاصل کر چکا تو آنحضرتؐ نے مامور فرمایا کہ یمن جا کر تائید اسلام اور مسیلمہ کی تردید کی خدمت انجام دے۔ بدبخت یمن پہنچ کر مسیلمہ سے مل گیا اور بالاعلان شہادت دی کہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) سے میں نے خود سنا ہے کہ مسیلمہ شریک نبوت ہے اس سے ہزاروں آدمی گمراہ ہو گئے۔ اذان آنحضرتؐ کی رسالت کا اعلان کیا جاتا تھا۔ جب مسیلمہ تکبیر کے وقت شریک نماز ہوتا تو موذن سے کہتا اشهد ان محمدا رسول الله خوب زور سے کہو مسجع مہمل عبارتیں لوگوں کو سناتا اور کہتا یہ وحی ہے۔ شراب و زنا کی حلت کا اعلان کر دیا تھا۔ ایسے اسباب سے مسیلمہ کا زور روز بروز ترقی کرتا رہا۔ جب مدعیہ نبوت سے مسیلمہ نے نکاح کر لیا تو اسکے لشکر سے مسیلمہ کو مزید شوکت حاصل ہوئی بارگاہِ خلافت سے دو لشکر مسیلمہ کے مقابلہ پر نامزد ہوئے تھے ایک حضرت عکرمہ کی زیر امارت دوسرا حضرت شرجیل بن حسنہ کی ماتحتی میں۔ ان دونوں لشکروں نے یکے بعد دیگرے شکستیں کھائیں جب حضرت ابوبکر کو ان ہزیمتوں کی اطلاع پہنچی تو دونوں شکست خوردہ امیروں کو دوسری مہموں پر مقرر کیا اور مسیلمہ کے مقابلہ کا جو حضرت خالد کو (مہم طلیحہ سے کامیابی کیساتھ فارغ ہو

چکے تھے) حکم دیا۔ انکی کمک کے واسطے تازہ دم جمعیت روانہ کی اس جمعیت میں انصار کے سردار حضرت ثابت بن قیس اور مہاجرین کے امیر حضرت زید بن خطاب (فاروق اعظم کے بھائی) تھے۔ جب حضرت خالد یمامہ پہنچے تو مسیلمہ کے لشکر کی تعداد چالیس ہزار تک ترقی کر چکی تھی۔ مسیلمہ نے حضرت خالدؓ کی آمد کی خبر سُنی تو آگے بڑھ کر عقربا نامی مقام پر پڑاؤ کیا۔ اسی میدان میں حق و باطل کا مقابلہ ہُوا۔ جب دونوں جانب صفوفِ جنگ آراستہ ہولیں تو سب سے اول نہار میدان میں آکر مبارزہ طلب ہُوا۔ حضرت زید بن خطاب اسکے مقابلہ پر گئے۔ بعد مقابلہ نہار مارا گیا۔ اسکے بعد عام لڑائی[1] شروع ہوئی۔ رن اس زور کا پڑا کہ مُسلمانوں کے قدم اُکھڑ گئے اور جمعیت پریشان ہو گئی۔ مسیلمہ کے لشکر نے تعاقب کیا اور دباتا ہوا خود حضرت خالد کے خیمہ تک پہنچ گیا۔ حضرت خالد کو بھی پیچھے ہٹنا پڑا ام تمیم حضرت خالد کی بی بی خیمہ کے اندر تھیں کفار نے اُن کو قتل کرنا چاہا مجاعہ[2] نے روکا اور کہا:

نعمت الحرة هذه — یہ بہت اچھی آزاد بی بی ہیں

عورتوں کو کیا مارتے ہو مردوں کا مقابلہ کرو۔ یہ سُن کر مسیلمہ کے سپاہی خیمہ کی طنابیں کاٹ کر ہٹ گئے۔ اس نازک اور حوصلہ فرسا موقع پر مسلمان امراء لشکر نے اپنی شکست خوردہ فوج کی جمعیت قائم کرنے کی کوشش جس قوت ایمانی کے ساتھ کی وہ قیامت تک صفحات تاریخ پر یادگار رہے گی۔ اُنہوں نے یکے بعد دیگرے

---

[1] مورخ طبری نے اس لڑائی کی بابت لکھا ہے لم يلق المسلمون حربا مثلها قط مسلمانوں کو اس سے زیادہ سخت معرکہ کبھی پیش نہیں آیا

[2] مجاعہ کفار کا سردار حضرت خالد کی قید میں تھا اُسکی آسائش کی نگرانی ام تمیم کے سپرد تھی حسن سلوک کا اثر تھا جو مجاعہ نے کہا۔

جانیں مردانہ وار اسلام پر قربان کرکے فوج کو غیرت دلائی اور آخر کار کامیاب ہوئے، حضرت قیس بن ثابت نے مفرورین کو مخاطب کر کے کہا

بئسما عودتم انفسکم یا معشر المسلمین اللھم انی ابرأ الیک مما یعبد ھؤلاء (یعنی اھل الیمامۃ) وابرأ الیک مما یصنع ھؤلاء (یعنی المسلمین) ھکذا عنی حتی ادرکھم الجلاد -

اے گروہ اہل اسلام تم نے اپنے نفوس کو بری عادت سکھائی۔ اے اللہ میں تیرے سامنے انکے (یعنی اہل یمامہ) کے معبود سے اور ان کی (یعنی مسلمانوں کی) اس حرکت سے جو اس وقت کر رہے ہیں اظہار نفرت کرتا ہوں مسلمانو دیکھو حملہ یوں کیا کرتے ہیں۔

یہ کہکر حملہ کیا ایک دشمن کی ضرب سے اُن کا پاؤں کٹ گیا وہی کٹا ہوا پاؤں لے کر اس زور سے مارا کہ اپنے حریف کا کام تمام کر دیا خُود بھی شہید ہو گئے، مُسلمان ہٹتے ہٹتے جب اپنے خیموں سے بھی پیچھے ہٹ گئے تو حضرت زید بن خطاب نے یہ کہہ کر ان کو روکا:

لا تحوز بعد الرجال واللہ لا اتکلم الیوم حتی انھزمھم او القی اللہ فاکلمہ بحجتی عضوا ابصارکم وعضوا علی اضراسکم واضربوا فی عدوکم وامضوا قدما یا معشر المسلمین انتم حزب اللہ وھم احزاب الشیطان والعزۃ للہ ولرسولہ ولاحزابہ

خیموں سے ہٹ کر کہاں جاؤ گے واللہ آج میں اسوقت تک کلام نہیں کروں گا کہ یا دشمن کو شکست دوں اور یا خدا کے سامنے پہنچ کر اپنی معذرت پیش کروں۔ اے لوگو! مصائب برداشت کرو ڈھالیں تھام لو اور دشمن پر جا پڑو۔ اور قدم بڑھاؤ اور اے گروہ اہل اسلام! تم خدا کی جمعیت ہو تمہارے دشمن شیطانی لشکر غلبہ خدا اس کے رسول اور

اردنی کما اریکم فاصنعوا کما اصنع -

اسکے انصار کیواسطے ہے۔ میری مثال کی پیروی کرو جو میں کرتا ہوں وہی تم بھی کرو۔

یہ کہہ کر شمشیر بکف کفار پر حملہ کیا اور شہادت سے سرخرو ہوئے۔ حضرت ابو حذیفہ نے للکار کر کہا۔ یا اھل القرآن زینوا القرآن بالفعال (اے قرآن والو قرآن کی زینت عمل سے بڑھاؤ) یہ کہہ کر دشمن پر ہلہ کیا اور شہید ہوئے۔ حضرت زید بن خطاب کے بعد حضرت براء بن مالک (حضرت انس خادم رسول اللہ کے بھائی) آگے بڑھے ان کی عادت عجیب تھی جب میدان جنگ کا عزم کرتے بدن پر لرزہ طاری ہوتا آدمی اُن کو دبا لیتے جب یہ حالت گزر لیتی تو میدان جنگ میں اگر شیر کی طرح پھرتے اس روز بھی یہی ہوا مُسلمانوں کی شکست دیکھ کر اُن کو جوش آیا اور لرزہ سے فارغ ہو کر میدان میں پہنچ کر للکارا:

این یا معشر المسلمین انا البراء بن مالک ھلم الی -

اے اہل اسلام کہاں جا رہے ہو میں براء بن مالک ہوں میری طرف آؤ۔

ان ترغیبوں اور شہادتوں کا یہ اثر ہوا کہ مُسلمانوں کے ایک گروہ نے میدان کی طرف پلٹ کر تازہ جوش کیساتھ پھر حملہ کیا۔ اس حملہ سے دشمن کے قدم ڈگمگا گئے اور اس مقام تک ہٹ گیا جہاں مسیلمہ کا مشہور سردار محکم بن الطفیل اپنی قوم کو لئے کھڑا تھا۔ اس نے للکار کر اپنے لشکر کو غیرت دلائی اور مُسلمانوں پر حملہ کیا۔ عین اسی حالت میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی شصت سے تیر قضاء چھوٹا جس نے محکم کی گردن میں لگ کر کام تمام کر دیا اس سے مُسلمانوں کی ہمت اور زیادہ بڑھی اور زور سے ہلہ کیا اور اعداء کو حدیقہ تک ہٹا لے گئے

یہ مقام چار دیواری سے محصور تھا اور اس کے وسط میں مسیلمہ قلب لشکر میں قدم جمائے کھڑا تھا۔ دشمنوں نے حدیقہ میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ حضرت براء بن مالک نے کہا کہ مجھ کو اُٹھا کر اندر پھینک دو مگر کسی نے اُس کی جرأت نہ کی۔ آخر اُنہوں نے قسم دلائی۔ مجبور ہو کر لوگوں نے اُن کو اٹھا کر دیوار پر پہنچا دیا وہ نیچے کُودے اور جانبازی کر کے دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کُھل جانے پر مسلمانوں نے حملہ پر حملہ کیا۔ مگر مسیلمہ نے جگہ سے جنبش نہ کی۔ یہ دیکھ کر حضرت خالد نے اپنے لشکر کو دوسری ترتیب سے قائم کیا اور حکم دیا کہ ہر قبیلہ الگ الگ ہو کر اپنے اپنے نشان کے نیچے لڑے تاکہ ہم دیکھیں کہ ہماری کمزوری کس گروہ کی وجہ سے ہے۔ اس حکم پر ہر قبیلہ سمٹ کر اپنے نشان کے نیچے آگیا اور نہایت بے جگری کے ساتھ دوبارہ حملے شروع ہوئے۔ اب لڑائی اس قدر شدید ہُوئی کہ پہلے معرکے گرد ہو گئے۔ سب سے زیادہ نقصان گروہ مہاجرین و انصار کو پہنچا۔ ان حملوں پر بھی مسیلمہ ثابت قدم رہا وہ وسط لشکر میں مرکز کارزار بنا ہُوا تھا۔ حضرت خالد نے اس حالت کو جانچا اور فیصلہ کیا کہ جب تک مسیلمہ کا خاتمہ نہ ہوگا لڑائی ختم نہ ہوگی۔ یہ خیال کر کے خود صف سے نکلے اور حریف مقابل طلب کیا اس شمشیر برہنہ کے سامنے جو آیا اُڑ گیا۔ آخر صفوں کو چیرتے اور مقابلہ کرنے والوں کو کاٹتے ہوئے مسیلمہ تک جا پہنچے اور اس سے گفتگو کر کے حملہ کیا۔ حضرت خالد کے حملہ سے مسیلمہ کے قدم ڈگمگائے اور اُسکے لشکر میں فی الجملہ تزلزل پیدا ہُوا یہ دیکھکر سپہ سالار اسلام نے للکار کر کہا مسلمانو ثابت قدم رہو ایک مردانہ حملہ اور دُشمن کو مار لیا۔ اس للکار پر جو حملہ حق پرستوں نے کیا وہ اتنا زبردست تھا کہ مسیلمہ کا

لشکر تاب نہ لا سکا قدم اُکھڑ گئے اور میدان سے بھاگنے لگا۔ جب اہلِ ارتداد کو ہزیمت ہُوئی تو لوگوں نے مسیلمہ سے کہا کہ آخر آسمانی مدد کے وعدوں کا کیا حشر ہُوا اس نے جواب دیا کہ اپنا ننگ و ناموس بچانا ہے تو بچا لو[1]۔

اسی حالت میں حضرت وحشی (قاتل حضرت حمزہ) نے اپنا حربہ پھینک کر مسیلمہ کے مارا جس کے صدمہ سے وہ گرا۔ گرا تو ایک انصاری نوجوان نے سر کاٹ لیا۔ دُشمن کی فوج میں شور پڑ گیا کہ مسیلمہ کو ایک حبشی[2] نے مار ڈالا۔ یہ سُنکر اہلِ باطل کے رہے سہے حواس بھی جاتے رہے اور بے تحاشا بھاگے۔ لشکرِ اسلام مظفر و منصور ہُوا۔ مورخ طبری نے لکھا ہے کہ حدیقہ کے قرب و جوار میں دس ہزار مرتد مارے گئے اسلئے اسکا نام "حدیقۃ الموت" مشہور ہے۔ مسیلمہ کے قتل کی خبر سُن کر حضرت خالد اس مقام پر آئے جہاں وہ مارا گیا تھا اور لاش تلاش کی۔ مجاعہ پا بجولاں ساتھ تھا اُس نے پہچان کر بتائی کہ تہ قد زرد لانبی ناک کا آدمی تھا۔ اس معرکہ میں مدینہ کے مہاجرین و انصار تین سو اور بیرون مدینہ کے تین سو آدمی شہید ہوئے باقی مُسلمان ان کے علاوہ۔ بعد فتح حضرت خالد نے مدینہ کو مژدہ فتح بھیجا۔ قاصد کے ساتھ بنی حنیفہ کا وفد بھی تھا۔ جب یہ وفد مدینہ پہنچا تو حضرت ابو بکرؓ نے اُن سے کہا افسوس تمہارے حال پر تم کس وبال میں مُبتلا ہو گئے۔ شرمندگی سے جواب دیا آپ نے جو کچھ سُنا سب سچ ہے۔ پوچھا آخر اس کی تعلیم کیا تھی۔ کہا اس کی وحی کا نمونہ یہ ہے:

یا ضفدع نقی نقی لا الشارب تمنعین　　اے مینڈک تو پاک ہے پاک نہ پینے والوں کو پانی ~~سے~~

---

[1] مسیلمہ کے باطل پرست ہونیکی یہ بین دلیل ہے کہ وہ ہمیشہ ننگ و ناموس کی غیرت دلا کر فوج کو لڑاتا تھا اگر حق پرست ہوتا تو حق کا واسطہ دیتا ۱۲　[2] وحشی کا وطن حبش تھا ۱۲

ولا الماء تنکررین۔ لنا نصف الارض ولقریش نصف ولکن قریشا قوم یعتدون۔

روکتا ہے نہ پانی کو گدلا کرتا ہے آدھا ملک ہمارا اور آدھا قریش کا۔ لیکن قریش تو ظالم قوم ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ نے یہ کلام بلاغت (غلاغلت) نظام سُن کر کہا:

سبحان اللہ و یحکم اُحذا الکلام ماخوج من الہ ولا بر فاین یذھب بکم۔

سُبحان اللہ! تمہارے حال پر افسوس کیا یہی کلام الٰہی ہے۔ یہ کلام تو شان ربانی نہیں رکھتا تم کو کہاں کھینچ لے گیا۔

خلاصہ یہ کہ مسلمانوں نے اسی طرح ہر موقع پر جانبازی کے جوہر دکھائے نتیجہ یہ ہوا کہ باستثناء بعض خفیف مہموں کے اہل ردۃ کے تمام معرکے ۱۱ھ میں ختم ہو گئے اور ۹ ماہ کے قلیل عرصہ میں وہ سیلاب فرو ہو گیا جو نواح مدینہ سے لیکر بحرین وعمان تک پھیلا ہوا تھا۔

مہم عراق

طوفان ارتداد کے فرو ہو جانے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے فوراً اپنی توجہ ان دو زبردست دشمنوں کی جانب مائل کی جو مسلمانوں کو گھیرے ہوئے اسلام کی تباہی کی فکر میں تھے یعنی روم وفارس۔ خلیفۂ رسول اللہ کو کس قدر اہتمام ان مہموں کا تھا واقعہ ذیل سے معلوم ہوتا ہے اُس زمانہ میں جبکہ حضرت صدیقؓ مذکورہ بالا مہموں کے انتظام میں مصروف تھے ایک صحابی نے اپنے قبیلہ کا کوئی معاملہ پیش کرنا چاہا غصہ ہو کر جواب دیا کہ میں تو ان دو شیروں کے زیر کرنے کی فکر میں ہوں جو مسلمانوں کی تاک میں ہیں اور تم میری توجہ معمولی کاموں کی جانب مائل کرتے ہو۔ ۹ھ کے آغاز میں حضرت سرور عالم ﷺ نے دعوت اسلام کے

مراسلے سلاطین عالم کے نام جاری فرمائے تو ایک مراسلہ خسرو پرویز بادشاہ ایران کے پاس بھی روانہ فرمایا۔ قاصد حضرت عبداللہ بن حذافہ تھے۔ نامۂ شریف حسب ذیل تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من محمد رسول اللہ الی کسریٰ عظیم فارس سلامٌ علی من اتبع الھدی وامن باللہ ورسولہ واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہ وان محمداً عبدہٗ ورسولہ وادعوک بدعاء اللہ فانی رسول اللہ الی الناس کافۃً لانذر من کان حیاً ویحق القول علی الکافرین فاسلم تسلم فان ابیت فان اثم المجوس علیک۔

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان بخشنے والا ہے

محمد رسول اللہ کی طرف سے کسریٰ بادشاہ فارس کے نام اسکے سلام جو سیدھی راہ چلے اور خدا اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور میں اس امر کی گواہی دیتا ہوں کہ کوئی معبود سوائے خدا کے نہیں ہے وہ یگانہ ہے کوئی اُسکا شریک نہیں اور محمد اس کے عبد و رسول ہیں اور میں تجھ کو خدا کا فرمان پہنچاتا ہوں اس لیے کہ میں تمام انسانوں کے پاس اسکا ایلچی ہو کر آیا ہوں۔ میری رسالت کا مقصود یہ ہے کہ جن کے دل زندہ ہیں ان کو خدا سے ڈراؤں اور جو انکار پر قائم رہیں ان پر حجت الٰہی تمام ہو تو اسلام لے آ سلامت رہیگا اگر انکار کرے گا مجوس کا گناہ تیری گردن پر رہے گا۔

خسرو نے فرمان مبارک پڑھ کر پارہ پارہ کر دیا اور باذان صوبہ دار یمن کو لکھا کہ دو تیز آدمی بھیجو تاکہ حجاز میں جو شخص ہے اس کو پکڑ کر یہاں لے آئیں باذان نے اپنے قہرمان بابویہ کو (جو انکا منشی اور فارسی خط وکتاب میں ماہر تھا) اور خرخرہ

نامی ایرانی کو مدینہ بھیجا اور ایک تحریر آپ کے نام اس مضمون کی بھیجی کہ ان دونوں
آدمیوں کے ساتھ خسرو کے پاس چلے جاؤ۔ قاصد براہ طائف مدینہ پہنچے۔ عرب میں
اس سفارت کی بڑی شہرت ہوئی اور قریش اس خیال سے بہت خوش ہوئے کہ
اب شہنشاہ ایران کی بدولت مسلمانوں کو مصیبت سے نجات مل جائے گی۔ خدمت
مبارک میں حاضر ہو کر بابویہ نے سلسلۂ کلام یوں شروع کیا۔ شاہنشاہ ملک الملوک کسریٰ
کا شاہ یمن کو یہ حکم ہے کہ تم کو اسکے پاس بھیجدے۔ میں بادشاہ یمن کا فرستادہ ہوں
اگر تم میرے ساتھ چلوگے تو شاہ یمن تمہاری سفارش شاہنشاہ کے دربار میں کریگا جس سے
تم کو نفع پہنچے گا۔ اگر چلنے سے انکار کرو گے تو تم شاہ یمن کو جانتے ہو وہ تم کو اور
تمہارے ملک کو برباد کر دیگا۔ ان قاصدوں کی ڈاڑھی منڈھی ہوئی تھی مونچھیں بڑی
بڑی تھیں۔ حضرت سرور عالمؐ نے اُن کے چہرہ کی طرف بہ نگاہ نفرت دیکھا اور فرمایا
افسوس تم پر تم نے یہ صورت کس کے حکم سے بنائی ہے جواب دیا اپنے پروردگار
کسریٰ کے حکم سے۔ آپ نے فرمایا مگر میرے پروردگار کا مجھ کو یہ حکم ہے کہ ڈاڑھی
بڑھاؤں مونچھیں تراشوں۔ اچھا اب ٹھہرو کل میرے پاس آنا دوسرے روز طلب کرکے
فرمایا کہ تمہارے کسریٰ کو اسکے بیٹے شیرویہ نے فلاں شب قتل کر دیا۔ جاؤ اور اپنے
آقا کو خبر دو اور کہدو کہ میرا دین اور میری حکومت عنقریب ملک کسریٰ میں پہنچتی ہے۔
اور دُنیا کے کناروں پر جاکر ٹھہرے گی۔ یہ بھی کہدینا کہ اگر تم اسلام لے آؤ گے تو تمہارا
ملک تمہارا تخت چھوڑ دیا جائیگا اور اپنی قوم پر حاکم رہو گے۔ یہ فرما کر خرخرہ کو ایک طلائی
پٹی (جو کسی بادشاہ نے بطور تحفہ آپ کی خدمت میں بھیجی تھی) عطا فرمائی اور رخصت کر دیا
باذان نے جب کلام مبارک سُنا تو کہا خدا کی قسم! یہ بادشاہوں کا سا کلام نہیں ہے اس

کا قائل نبی معلوم ہوتا ہے۔ چند روز کے بعد خسرو کے قتل اور شیرویہ کے تخت نشینی
کی خبر باضابطہ یمن میں آگئی۔ شیرویہ نے یہ بھی لکھا کہ نبی عربی سے کچھ مزاحمت نہ
کی جائے۔ آخر عہدِ نبوت میں باذان نے اسلام قبول کر لیا اور جو ایرانی یمن
میں تھے وہ بھی مسلمان ہو گئے۔ خسرو پرویز کے قتل کے بعد ایران میں خانہ جنگی و
بدنظمی کا دور دورہ رہا۔ چند ہی سال کے عرصہ میں بارہ تیرہ بادشاہ تخت نشین
ہوئے جن میں بعض عورتیں بھی تھیں اس تغیر و تبدل سے بدامنی و فساد کا دائرہ
وسیع ہو گیا تھا۔ خلافت صدیقی میں ایران کی طرف سے حاکم عراق ہرمز تھا جسکو عربوں
سے سخت عداوت تھی اور ہمیشہ بر سرِ پرخاش رہتا۔ اہل عرب بھی اس سے نفرت
کرتے تھے یہاں تک کہ اس کی سختی اور شرارت ضرب المثل ہو گئی تھی "اکفر من
ہرمز و اخبث من ہرمز"۔

اہل ایران کے مظالم سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کی فکر حضرت ابوبکر کو ابتداء
سے تھی لیکن کچھ روز ارتداد کے انسداد کی وجہ سے مہلت نہ ملی۔ اسی عرصہ میں حضرت
مثنیٰ عراق سے مدینہ آئے اور حضرت صدیق سے کہا کہ اگر آپ مجھ کو میرے قبیلے
کی امارت پر مقرر کر دیں تو میں مسلمانوں کو ان اہل ایران کے شر سے محفوظ رکھ سکتا
ہوں جو میری سرحد پر ہیں۔ یہ درخواست منظور ہوئی اور حضرت مثنیٰ نے عراق واپس
جاکر ایرانیوں سے آویزش شروع کی اس طرح ایک حد تک ادھر کی بے اعتدالیوں
کا سدباب ہو گیا۔ آخرکار اہل ارتداد کی طرف سے اطمینان حاصل ہوا۔ یمامہ کی
مہم سر ہوئی۔ مسیلمہ کام آیا۔ حضرت ابوبکر نے حضرت خالد کو طلب کر کے دس
ہزار فوج کے ساتھ اہل فارس کے مقابلہ پر مقرر کیا۔ علاوہ اس لشکر کے ۸ ہزار

سپاہ حضرت مثنیٰ وغیرہ ان چار سرداروں کے پاس اور بھی جو پہلے سے مامور تھے
اس طرح جملہ اٹھارہ ہزار فوج مہم عراق پر متعین ہوئی۔ حضرت خالد کو یہ ہدایت
تھی کہ عراق کے نشیبی حصے سے بڑھ کر اوّل اُبلہ پر حملہ کریں۔ یہ مقام اس موقع کے
متصل تھا جہاں اب بصرہ آباد ہے۔ اس زمانہ میں ہندوستان کا وہی بندر تھا
اور اس کے ذریعہ سے ہرمز سمندر میں ہندوؤں کے ساتھ لڑتا رہتا تھا۔ دوسرے
لشکر کو حکم تھا کہ عراق کے بالائی حصّہ سے حملہ آور ہو اور دونوں لشکر فتح کرتے
ہوئے حیرہ[1] پر آکر مل جائیں اور شہر مذکور پر متفقہ حملہ کریں۔ جو سردار لشکر وہاں
اوّل پہنچے وہی تمام فوج کا امیر ہوگا۔ جب حیرہ فتح ہو جائے تو ایک حصّہ لشکر
وہاں قیام کرکے عقب کی حفاظت کرے۔ دُوسرا حصّہ خُدا اور مُسلمانوں کے دُشمن
اہل فارس کے دارالسلطنت مدائن پر بڑھے۔ حضرت خالد کو یہ بھی ہدایت تھی کہ
زراعت پیشہ رعایا کو پریشان نہ ہونے دیں۔ امن کے ساتھ بدستور اراضی پر قابض
رکھیں اور کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائیں مقابلہ صرف ان لوگوں سے کیا جائے جو میدان
میں آکر لڑیں۔ اس ہدایت کا تمام مہمات عراق میں پورا لحاظ رکھا گیا۔ حضرت خالد کی مہم
محرم ۱۲ھ میں روانہ ہوئی۔ حسب ہدایت اول ابلہ کی جانب رُخ کیا یہ بندر ایران
کی تمام بندرگاہوں سے زیادہ پُرشوکت اور مستحکم تھا۔ ہرمز سلطنت فارس کے اوّل
درجہ کے امرا میں تھا۔ جسکی علامت یہ تھی کہ لاکھ روپے کا تاج پہنتا تھا۔ لڑائی
سے پہلے حسب ذیل خط ہرمز کے نام بھیجا گیا۔

---

[1] حیرہ کوفہ سے تین منزل تھا خورنق عمارت مشہور اسی شہر میں تھی۔

اما بعد اسلم تسلم او اعتقد لنفسک وقومک الذمة واقرر بالجزية والا فلا تلومن الا نفسک فقد جئتک بقوم يحبون الموت كما تحبون الحيوة۔

بعد حمد و ثنا اسلام لے آؤ۔ سلامت رہو ورنہ اپنی طرف سے اور اپنی قوم کیطرف سے جزیہ کا اقرار کرکے مسلمانوں کی پناہ میں آجاؤ یہ بھی نہیں تو پھر تمہارا ہی قصور ہے میں وہ آدمی لے کر آیا ہوں جنکو موت ایسی پیاری ہے جیسے تم کو زندگی۔

ہرمز نے یہ خط پڑھ کر کسریٰ اور ولی عہد کو اطلاع کی اور فراہمی لشکر کا اہتمام کیا۔
چند ہی روز میں نہایت سرعت کے ساتھ "اڑان کھٹو" (سرعان صحابہ) لیکر حضرت خالد
کے مقابلہ پر روانہ ہوا۔ اول کاظمہ پہنچا۔ معلوم ہوا کہ مسلمان حفیر میں ہیں وہاں پہنچا
تو سپہ سالار اسلام نے لشکر کاظمہ میں لا ڈالا۔ ہرمز کو کاظمہ آنا پڑا۔ اس تگ و دو
میں ایرانی لشکر خوب خستہ ہو گیا۔ کاظمہ کے پڑاؤ پر آتش پرست فوج پانی کے
کنارے مقیم ہوئی۔ مجوسیوں نے بھاگنے کے خوف سے اپنے آپ کو زنجیروں سے
جکڑ لیا تھا۔ حضرت خالد ہرمز کی آمد کی خبر سُن کر مقابلے پر آئے لشکر اسلام کے
اترنے کیواسطے وہ جگہ باقی تھی جہاں پانی نہ تھا۔ مسلمانوں کو تامل ہوا تو حضرت خالد
نے منادی کرادی کہ یہیں اترو اور لڑ کر پانی پر قبضہ کرلو۔

فلعمری ليصيرن الماء لاصبر الفريقين واكرم الجلدين۔

میری جان کی قسم پانی اس کا ہے جو دونوں حریفوں میں زیادہ ثابت قدم اور جوانمرد ثابت ہو۔

یہ سُن کر مسلمانوں نے وہیں پر سامان اتار دیا ادھر سامان اتارا تھا کہ ادھر
حضرت خالد نے حملہ کا حکم دیا۔ میدان کارزار گرم ہونے پر ہرمز نے دھوکہ سے چند

آدمی کمین گاہ میں چھپا کر حضرت خالد کو اپنے مقابلہ پر طلب کیا۔ یہ جیسے پہنچے ویسے ہی آدمیوں نے نکل کر وار کیا۔ حضرت خالد نے ان کا وار خالی دیا اور دلیرانہ ہرمز پر گر کر کے کام تمام کر دیا۔ ہرمز کے قتل کے بعد معرکہ جنگ میں اور زیادہ شدت ہوئی۔ بہت سے کشت و خون کے بعد ایران کے لشکر نے ہزیمت پائی۔ مسلمان مظفر و منصور ہوئے۔ رات تک مفرورین کا تعاقب ہوتا رہا۔ زنجیریں میدان سے فراہم کی گئیں تو ایک شتر بار (تخمیناً ۷½ من) نکلیں۔ اسی وجہ سے اس معرکہ کا نام ذات السلاسل ہے۔ مدینہ مژدۂ فتح پہنچا تو حضرت ابوبکرؓ نے ہرمز کا تاج حضرت خالد کو عطا فرما دیا۔ اسلام کا مسئلہ ہے کہ خاص خاص معرکہائے جنگ میں جو مسلمان اپنے حریف کو قتل کرے اسکے بدن کا سامان وہی لے لے۔ مال غنیمت کے ساتھ ایک ہاتھی بھی مدینہ آیا اور خلیفہ کے حکم سے شہر میں پھرایا گیا۔ بڑھیاں اسے دیکھتیں اور حیرت سے کہتیں:

امن خلق اللہ ما نری؟ کیا جو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے خدا کی مخلوق ہے۔

گشت کے بعد عراق کو واپس بھیجدیا گیا۔ حفیر کی جنگ کے بعد مدار کا معرکہ پیش آیا۔ یہ واقعہ پہلے سے زیادہ شدید تھا۔ کسریٰ کے حکم سے تازہ فوجیں مداین سے آکر اس مہم میں شریک ہوئی تھیں فتح مسلمانوں کو حاصل ہوئی۔ اسی لڑائی میں خواجہ حسن بصری کے والد حبیب گرفتار ہوئے تھے۔

خلاصہ یہ کہ یکے بعد دیگرے دلجہ، الیس۔ یوم المقر۔ حیرہ۔ عین التمر، دومۃ الجندل، انبار، حصید، مضیح، ثنی، زمیل، فراض کے معرکے پیشرو سے زیادہ سخت تھے۔ عراق چونکہ سلطنت فارس کا مستقر تھا اور مداین دار السلطنت اسی صوبہ میں

واقع ہے اس لیے اہل فارس نے نہایت جانبازی و دلیری سے مقابلے کئے لیکن حضرت خالد سیف اللہ کی شمشیر براں کے سامنے ہر جگہ سر جھکانا پڑا۔ سپہ سالار اسلام نے اس سرعت و جلادت سے حملے کئے کہ دشمن کو دم لینے کی مہلت نہ ملی اور چند ہی روز میں میدان صاف ہو گیا۔ مورخ طبری نے حضرت خالد کی نسبت لکھا ہے:

وکان قلیل الصبر اذا رآہ او سمع بہ۔ یعنی جب وہ موقع جنگ دیکھتے یا لڑائی کی خبر سنتے تو پھر صبر نہ ہوتا۔

حیرت یہ ہے کہ باوجود اس قدر مہمات سر کرنے کے اسی قلیل عرصہ میں انہوں نے ملکی انتظامات بھی کئے۔ عمال مقرر کئے وصول خراج کا بندوبست کیا۔ کاشتکاروں اور زمینداروں کو امن دیکر لگان کے معاہدے کئے۔ ایرانیوں نے شروع میں ان فتوحات کو عرب کی معمولی لوٹ مار خیال کیا تھا لیکن جب مسلمانوں کا عزم، انصاف اور برتاؤ کی خوبی دیکھی تو اپنے اپنے گھروں میں باطمینان واپس آگئے ہر پرگنہ اور علاقہ کے باشندوں نے اپنے قائمقام بھیج کر جزیئے کے معاہدے کئے اور معاہدہ کے بعد پورے اطمینان کے ساتھ کاروبار میں مصروف ہو گئے۔

حضرت خالد کے دو بیان یہاں نقل کئے جاتے ہیں جن سے اس منصفانہ طرز عمل کا پتہ لگتا ہے جو مسلمانوں نے عراق میں اختیار کیا تھا۔

نقل فرمان بنام صلو بالسوادی

بسم اللہ الرحمن الرحیم	شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بخشنے والا ہے۔
من خالد بن الولید الی ابن صلو بالسوادی	خالد بن ولید کی جانب سے بنام صلو بالسوادی ساکن
ومنزلہ بشاطی الفرات انک آمن	کنارۂ فرات۔ تو اللہ کی پناہ میں ہے

بامان الله علی حقن دمك باعطاء
الجزیة وقد اعطیت عن نفسك
وعن اهل خرجك وعن جزیرتك
ومن کان فی قریتك بانقیاد و
بادوسماء الف درهم فقبلتها منك
ورضی من معی المسلمین بها منك
ولك ذمة الله وذمة محمد
صلی الله علیه وسلم وذمة المسلمین
علی ذلك. وشهد هشام بن الولید۔

قبول جزیئے کے بعد تیری جان بخشی گئی۔ تُو
نے اپنی ذات، اپنی رعایا، اپنے جزیرے
اور بالقیاد اور بارو سماء کی جانب
سے ایک ہزار درہم جزیہ دیا۔ میں نے
اس کو قبول کیا اور جو مسلمان میرے ساتھ
ہیں انہوں نے اتفاق کیا۔ اس کے
عوض میں تُو اللہ تعالےٰ کی حضرت محمد
صلی اللہ علیہ وسلم کی اور مسلمانوں کی پناہ میں
آگیا۔ ہشام بن ولید گواہ ہیں۔

اہلِ حیرہ کے نام معاہدہ ربیع الاوّل ۱۲ھ میں لکھا گیا۔

بسم الله الرحمن الرحیم

هذا ما عاهد علیه خالد بن الولید
عدیا وعمروا بنی عدی وعمرو بن
عبد المسیح وایاس بن قبیصة و
خیری بن اکال وهم نقباء اهل
الحیرة ورضی بذلك اهل الحیرة
وامرهم به عاهدهم علی تسعین
ومائة الف درهم تقبل فی کل سنة
جزاء عن ایدیهم فی الدنیا رهبانهم

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان بخشنے والا ہے۔

یہ وہ معاہدہ ہے جو خالد بن ولید نے
عدی اور عمر پسران عدی اور عمرو بن عبد المسیح
اور ایاس بن قبیصہ اور خیری بن اکال کیساتھ کیا۔
یہ لوگ اہل حیرہ کے مقبول و مقرر کردہ قائم مقام ہیں۔
یہ قرار داد ہے کہ ہر سال ایک لاکھ نوّے ہزار درہم
بطور جزیہ وہ لوگ ادا کریں گے جو دنیاوی
مقدرت رکھتے ہیں اور رہبان و قسیس
مگر وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو مفلس ہوں دُنیا سے

وقسیسهم الا من کان منهم علی غیر ذی
ید حبیسا عن الدنیا تارکا لها وعلی
المنعة فان لم یمنعهم فلا شیء علیهم
حتی یمنعهم وان غدروا بفعل او
بقول فالذمة منهم بریئة۔

بالکل بے تعلق ہوں۔ بنیاد معاہدہ حفاظت ہے
اگر میں خالد بن الولید ان کی حفاظت نہ
کروں جزیہ کا کوئی جز واجب نہ ہوگا اور وہ
(اہل حیرہ) قولاً یا فعلاً بدعہدی کریں تو ہماری
پناہ سے نکل جائیں گے۔

حضرت خالد نے فوجی اور مُلکی انتظام کو ایک دُوسرے سے علیحدہ رکھا تھا فوجی افسر جُدا تھے اور مُلکی جُدا۔ چنانچہ اوّل ہی لڑائی کے بعد جس میں ہرمز کام آیا فوج کے سردار حضرت سعید بن نعمان اور مُلکی حاکم سوید بن مقرن مقرر کئے گئے۔ سوید کو ہدایت کی گئی کہ اپنے ماتحت عمال وصول خراج کیواسطے مفصلات میں متعین کریں جن پرگنوں کے باشندے مقابلے پر نہیں آئے اُن سے کچھ مزاحمت نہیں کیگئی اور آشتی کے ساتھ لگان کا بندوبست کر لیا گیا۔ بالقیاء، بارو سماء وغیرہ اسی سلسلہ میں تھے۔ حیرہ اور اُبلہ خراج کے صدر مقام تھے جو اس وقت کی اصطلاح میں سواد کہلاتے تھے۔ سواد حیرہ کے ماتحت حسب ذیل پرگنے اور عامل خراج تھے:

نام پرگنہ	نام عامل
فلالیج (بلندیٔ عراق)	عبد اللہ ابن وثیمہ
بالقیاء و بارو سماء	جریر بن عبد اللہ
نہرین	بشیر بن خصاصہ
روزمستان	اُط بن ابی اُط

سوادِ ابلہ کے حاکم مال سوید بن مقرن کے نائب حسب ذیل عُمال تھے:

حکہ حبطی　　حصین بن ابی الخیر　　ربیعہ بن عسل

خوبیٔ انتظام کی شہادت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ پچاس ا
کے اندر حصۂ مقبوضہ کا مقررہ خراج وصول ہو کر داخل خزانہ ہو گیا۔ اس روپیہ
مسلمانوں کو آئندہ مہمات میں بہت مدد ملی۔ حضرت خالد کا اصولِ عمل یہ تھا
جہاں پہنچتے تھے اول تبلیغ اسلام کرتے تھے بصورتِ عدل قبول جزیہ طلب کرتے
تھے۔ اس سے بھی انکار ہوتا تو اعلانِ جنگ کیا جاتا۔ چنانچہ حیرہ کے معرکے سے
پہلے جب اشرافِ اہلِ فارس بہ سرگروہی قبیصہ بن ایاس نائب کسریٰ حضرت خالد
پاس آئے تو انہوں نے کہا:

ادعوکم الی الاسلام فان اجبتم فانتم من المسلمین لکم مالهم وعلیکم ما علیهم فان ابیتم فالجزیة فان ابیتم فقد ایتتکم باقوام هم احرص علی الموت منکم علی الحیوٰة۔	یعنی میں تم کو اسلام کی جانب بلاتا ہوں اگر تم اسلام کرو گے تو تم مسلمانوں کا جزو ہو جاؤ گے تم وہی حقوق ہوں گے جو ہمارے ہیں اور وہی ذم ہوں گی جو ہم پر ہیں اس سے انکار ہے تو جزیہ بھی منظور نہیں تو سمجھ لو کہ تمہارے مقابلہ کو وہ فوجیں لیکر آیا ہوں جو موت پر ایسی ہی جان ہیں جیسے تم زندگی پر بلکہ زیادہ۔

جزیہ کی مقدار معاہدۂ حیرہ میں فی کس چار درہم تھی (یعنی ایک روپیہ) راہب
تارک الدنیا اور مفلس مستثنیٰ تھے۔ جزیہ کے عوض میں مسلمانوں کی جانب سے حفاظت
عہد ہوتا تھا ہر معاہدۂ جزیہ میں یہ تصریح ہوتی تھی کہ اگر ہم تمہاری حفاظت

سکیں گے تو جزیہ بھی نہ لیں گے۔ ان معرکوں میں کس قدر احتیاط کی جاتی تھی اور
حضرت ابوبکرؓ چھوٹے چھوٹے واقعات سے بھی کس درجہ خبردار رہتے تھے حسب ذیل واقعہ
سے واضح ہوتا ہے۔ مضیح کی لڑائی میں جب مسلمانوں نے شبخون مارا تو دو مسلمان بھی جو
دشمنوں میں رہتے تھے کام آئے ایک عبد العزیٰ جن کا اسلامی نام عبداللہ تھا دوسرے
لبید۔ شب خون کے وقت جو اشعار عبداللہ کی زبان پر تھے ان میں یہ مصرع بھی تھا ؎

سُبحانکَ اللّٰھُمَّ رَبَّ مُحَمَّدٍ

حضرت ابوبکرؓ نے یہ ماجرا سُنا تو دونوں کا خونبہا ادا کروا دیا اور حکم دیا کہ اُنکے
پسماندوں کے ساتھ حُسنِ سلوک اختیار کیا جائے اسی کے ساتھ یہ بھی کہا:

اما ان ذلک لیس علی اذ نازلا اهل الحرب۔	اسکی ذمہ داری میرے سر نہیں ہے جب کہ وہ دار الحرب میں قیام پذیر تھے۔

فتح حیرہ کے بعد حضرت خالد نے حیرہ کو اپنا صدر مقام مقرر کیا وہیں سے ہر طرف
انتظام کے واسطے آتے جاتے تھے۔ السیب سرحدی مقام تھا سرحد کی حفاظت پر
کار آزمودہ جوانمرد مامور تھے۔ مثلاً حضرت ضرار بن ازور۔ حضرت ضرار بن الخطاب۔
مثنیٰ بن حارثہ خلافت کے احکام فتح عراق کی بابت یہ تھے کہ جب حیرہ پر نشیبی و بالائی
دونوں لشکرِ اسلام جمع ہو جائیں تو ایک امیر عسکر حیرہ میں قیام کرے۔ دوسرا مدائن
دار السلطنت پر بڑھے۔ حضرت خالد اپنے مفوضہ مہمات طے کر کے حیرہ پہنچ گئے۔
لیکن حضرت عیاض اس سرعت سے ختم نہ کر سکے اور حسب ارشاد خلافت حضرت خالد
کو ان کی مدد کے واسطے بمقام دومۃ الجندل جانا پڑا۔ اسی سلسلہ میں حضرت خالد
کربلا کی چھاؤنی تک گئے۔ اس وقت مسلمانوں کی آویزش کا سلسلہ کنارۂ دجلہ

تک پہنچ چکا تھا۔ مثنیٰ بن حارثہ خود مدائن کے بعض مورچوں پر سرگرم قتال تھے۔
حضرت خالد نے چند روز کربلا میں قیام کیا وہاں اس زمانہ میں مکھیوں کی بہت
کثرت تھی۔ عبداللہ بن وثیمہ نے شکایت کی تو حضرت خالد نے جواب دیا صبر کرو۔ میں
چاہتا ہوں کہ جن چھاؤنیوں کو خالی کرنا عیاض کے سپرد تھا ان کو فتح کر کے عربوں
کو قابض کر دوں تاکہ مسلمانوں کا عقب محفوظ ہو جائے اور آمد و رفت کا سلسلہ
بے خدشہ جاری رہے۔ یہی حکم خلیفہ کا ہے اور خلیفہ کی رائے ایک جماعت
کی رائے کے برابر قوی ہے۔

" ورایۃ یعدل بجمد الامّۃ "

رمضان المبارک میں دومۃ الجندل وغیرہ کے معرکے سر کر کے حضرت خالد فراض
پہنچے جہاں فارس، شام اور جزیرہ کی سرحدیں ملتی ہیں۔ اسی موقع پر عید کی نماز
ادا کی۔ مسلمانوں کا اجتماع فراض پر دیکھ کر رومیوں کو جوش اور غصہ آیا اور انہوں
نے فارس کی چھاؤنیوں، کفار عرب کے قبائل تغلب آباد، نمر سے مدد لیکر مسلمانوں کے
مقابلہ کا تہیہ کیا۔ تغلب وغیرہ قبائل سرحد روم پر آباد تھے اور ان میں مسلمانوں
کے خلاف جوش موج زن تھا۔ اس طرح رومی اہل فارس، اور عرب متفق ہو کر مسلمانوں
پر بڑھے۔ فرات کے کناروں پر دونوں فوجیں جمع ہوئیں۔

رومیوں نے حضرت خالد سے دریافت کیا کہ تم ادھر آؤ گے یا ہم ادھر آئیں انہوں
نے جواب دیا کہ تم آؤ۔ رومیوں نے کہا بہتر لیکن جس موقع پر تم ہو وہاں سے ہٹ جاؤ۔
تاکہ ہم دریا کو عبور کر سکیں۔ حضرت خالد نے اس سے انکار کیا۔ انکار سنکر رومیوں نے
اور ایرانیوں نے مشورہ کیا کہ خالد اپنی بات سے ہٹنے والا نہیں خود ہم کو دوسرے

گھاٹ سے عبور کر کے مقابلہ کرنا چاہیئے۔ چنانچہ مخالف لشکر نے دریا اتر کر نہایت
جوانمردی و عزم کے ساتھ حملہ کیا مگر میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ بعد فتح لشکر اسلام
نے تعاقب کیا اور کثرت سے دشمن کام آئے۔ کامیابی کے بعد حضرت خالد دس روز
فراض میں مقیم رہے اور ضروری انتظام کر کے پانچویں ذی قعدہ کو حیرہ کی
واپسی کا حکم دیا۔ عاصم کو ہدایت کی کہ لشکر لے کر چلیں شجرہ بن الاعز ساقہ پر تھے خود
حضرت خالد نے اپنا قیام ساقہ میں رکھا جب لشکر آگے بڑھا تو حضرت خالد چند
آدمیوں کو لیکر علیحدہ ہو گئے اور غیر معروف راستہ سے مکہ پہنچ کر حج کیا۔ یہ سفر اس
تیزی سے طے کیا کہ لشکر کے اخیر حصہ کے ساتھ حیرہ میں داخل ہو گئے واپس آئے
تو فرمان خلافت ملا جس میں اس جسارت پر کہ لشکر سے علیحدہ ہو کر حج ادا کیا تنبیہ
تھی اور آئندہ کے لیے احتیاط کی ہدایت۔ اسطرح حضرت خالد نے ۱۲ھ کے اختتام
سے پہلے تجویز شدہ مہم عراق کی تکمیل کر دی۔

حج

ذی الحجہ ۱۲ھ میں حضرت ابوبکر نے حج کیا ان کی غیبت کے زمانے میں
حضرت عثمان بن عفان مدینہ میں نائب رہے۔

شام ۱۳ھ

ملک شام اس عہد میں سلطنت روم میں شامل تھا عراق کی
طرح سلطنت روم کی عربی سرحد پر بھی قبائل عرب آباد تھے
جو اہل حجاز کے ساتھ گوناں گوں تعلقات رکھتے تھے، ہجرت کے بعد جب نواح
مدینہ کے یہود عرب مسلمانوں کی مخالفت پر کمربستہ ہو کر اٹھے اور دائرہ خصومت
وسیع ہوا تو اس کا اثر سرحد روم تک پہنچا اور اس طرح سے بھی کاوش و آویزش
شروع ہوئی۔ ۸ھ کے وسط میں حضرت سرور عالم نے ایک مہم رومیوں کے

مقابلہ پر روانہ فرمائی جو سیرۃ میں غزوۂ موتہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس مہم کا جس فوج گراں سے مقابلہ ہوگیا اس میں خود ہرقل روم عربوں کی ایک جماعت کثیر کیساتھ موجود تھا۔ اسی غزوہ میں حضرت جعفر طیار اور زید حارثہ شہید ہوئے۔ رضی اللہ عنہما۔ رجب ۹ھ میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار لشکر کے ساتھ تبوک تشریف لے گئے۔ اس مہم کا مقصود بھی حملہ کو روکنا تھا۔ جیش اسامہ کی روانگی بھی رومیوں کے مقابلہ پہ ہوئی تھی۔ ابھی ابھی سن چکے ہو کہ مہم عراق کے دوران کس طرح رومی از خود میدان میں در آئے۔ ان ہی وجوہ سے آغاز خلافت سے حضرت صدیق اکبر کی نگاہ جن دو شیروں سے لڑ رہی تھی ان میں ایک ہرقل روم بھی تھا۔ مہم عراق کی کامیابی کے بعد سفر حج سے واپس آکر حضرت ابوبکر نے مہم شام کا اہتمام کیا۔ سب سے اول حضرت خالد بن سعید کو ایک خفیہ فوج کیساتھ بھیجا اور انکو حکم دیا کہ بمقام تیماء پہنچ کر قیام کریں اور تا حکم ثانی آگے نہ بڑھیں۔ خود حملہ نہ کریں ادھر سے حملہ ہو تو دفع کریں۔ جو مسلمان قبائل تیماء کے نواح میں ہوں انکو شرکت کی ترغیب دیں لیکن یہ شرط تھی کہ جو لوگ ارتداد کا داغ کھا چکے ہوں وہ شامل نہ کئے جائیں۔ حضرت خالد بن سعید نے بموجب حکم تیماء پہنچکر پڑاؤ کیا۔ قبائل کا لشکر عظیم ان کے نشان کے نیچے جمع ہوگیا۔ ہرقل کو جب اس فوج کی خبر پہنچی تو اس نے بھی تیاریاں شروع کیں اور عرب کے مقابلے کے لیے عرب انتخاب کئے۔ قبائل لخم غسان جذام وغیرہ جو شام کی سرحد پر آباد تھے حضرت خالد بن سعید کے مقابلے کے واسطے تیماء سے تین منزل کے فاصلہ پر فراہم ہوئے حضرت ابوبکر کو اطلاع کی گئی۔ حکم آیا:

اقدم ولا تحجم واستنصر اللہ۔ — آگے بڑھو رکو مت خدا سے مدد مانگو۔

اس ہدایت کے مطابق مسلمانوں نے حملہ کیا اور مخالفین کی جمعیت پریشان ہوگئی۔ شامیوں کی چھاؤنی پر حجازی لشکر کا قبضہ ہوگیا۔ اس کشمکش کا ایک مبارک نتیجہ یہ ہوا کہ جو قبائل مقابلے پر بڑھے تھے وہ دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے۔ انکی اطلاع بھی مدینہ گئی حکم ہوا اور آگے بڑھو اس احتیاط سے کہ عقب محفوظ رہے۔ حضرت خالد بن سعید نے قدم آگے بڑھایا اور زیراء و آبل کے درمیان منزل کی یہاں باہان نامی ایک بطریق نے مقابلہ کر کے شکست کھائی اسکی اطلاع کیساتھ حضرت خالد بن سعید نے مزید مدد کی درخواست بھیجی اور اب حضرت صدیق نے پورے اہتمام کے ساتھ مہم کا انصرام فرمایا۔ اسی عرصہ میں وہ لشکر جو یمن، عمان، بحرین، تہامہ وغیرہ مقامات میں اہل ارتداد سے لڑ رہے تھے کامیابی کے ساتھ مدینہ واپس آگئے۔ حضرت عکرمہ ذوالکلاع حمیری (یمن کے شاہی خاندان حمید کی یادگار) اسی جمعیت میں تھے۔ چار جدید فوجیں شام کو روانہ کی گئیں ایک کے امیر حضرت ابوعبیدہ تھے۔ دوسرے کے حضرت شرجیل بن حسنہ، تیسری کے حضرت یزید بن ابوسفیان۔ چوتھی کے حضرت عمرو بن العاص۔ یہ افواج مختلف حصص شام پر مامور ہوئیں۔ حضرت عمرو بن العاص کو براہ معرفہ فلسطین پر بڑھنے کا حکم ملا۔ بقیہ تینوں لشکر مختلف سمتوں سے بلقاء (بلندئ شام) کی جانب بڑھے۔ ہر امیر کے متعلق مختلف شہروں کی تسخیر تھی۔ مجموعی اصول یہ تھا کہ:۔

اعرف ان الروم ستشغلهم فاحب ان یصعد المصوب و یصوب المصعد لئلا یتواکلوا۔

میں جانتا ہوں کہ عنقریب رومی پوری قوت سے مسلمانوں کے مقابل ہونگے لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ بلندی والے نشیب کیطرف اور نشیب والے بلندی کیطرف آجاسکیں اور ایکدوسرے کے محتاج نہ رہیں۔

مورخ طبری لکھتے ہیں ۔

فکان کما ظن ۔ وہی ہوا جو حضرت ابو بکرؓ کا خیال تھا ۔

مُسلمانوں کی ان چاروں فوجوں کی تعداد ستائیس ہزار تھی حضرت خالد بن سعید کی جمعیت اسکے علاوہ ہرقل کو جب ان واقعات کا علم ہُوا تو اُس نے بڑے زور شور سے تیاریاں کیں ۔ خود شام پہنچکر حمص میں قیام کیا ۔ یہ تجویز کی کہ مسلمانوں کے ہر لشکر کا جُدا جُدا مقابلہ کیا جائے تاکہ ان کو اجتماع کا موقع نہ ملے تذارق ہرقل کا حقیقی بھائی نوّے ہزار فوج کیساتھ عمرو بن العاص کے ، جرجہ بن توذرا قریباً اسی قدر جمعیت کے ساتھ یزید بن ابی سفیان کے ، دراقص حضرت شرجیل بن حسنہ کے اور فیقار بن نسطوس ساٹھ ہزار لشکر کے ساتھ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کے مقابلہ پر مامور ہوا ۔ تذرق کا مقدمۃ الجیش آگے بڑھ کر ثنیہ نامی مقام پر (جو فلسطینؔ کا بلند حصّہ تھا) خیمہ زن ہُوا ۔ مُسلمانوں نے جب رومیوں کا ٹڈی دل دیکھا تو گھبرائے اور حضرت عمرو بن العاص سے مشورہ طلب کیا ۔ فوج کی زیادہ جمعیت انہی کے پاس تھی ۔ جواب دیا ۔

الرای الاجتماع و ذلك ان مثلنا اذا اجتمع لم یغلب من قلة واذا نحن تفرقنا لم یبق الرجل منا فی عدد یقرن فیه لاحد ممن استقبلنا واعد لنا لکل طائفة منا فاتعدوا الیرموك ۔

رائے یہ ہے کہ سب مجتمع ہو جاؤ وجہ یہ کہ ہم آدمی جب جمع ہو جائیں تو محض قلت کی وجہ سے مغلوب نہیں ہو سکتے اور اگر ہم متفرق ہو گئے تو پھر ہم میں سے کسی کے پاس اسقدر جمعیت نہ رہیگی کہ اپنے مقابل کا مقابلہ کر سکے ہمارے ہر لشکر کے مقابلہ کیواسطے الگ الگ فوج بھیجی گئی ہے یرموک پر جمع ہو جاؤ ۔

لہ شام کا وہ صوبہ جسکا صدر بیت المقدس تھا ۔

حضرت ابو بکرؓ کو ان واقعات کی خبر ہوئی تو انہوں نے بھی مذکورہ بالا رائے پسند کی اور لکھا :

اجتمعوا فتکونوا عسکرا واحدا والقوا زحوف المشرکین بزحف المسلمین فانکم اعوان الله والله ناصر من نصره و خاذل من کفره ولن یؤتی مثلکم من قلة وانما یؤتی العشرة آلاف والزیادة علی العشرة آلاف اذا اتوا من تلقاء الذنوب فاحترسوا من الذنوب و اجتمعوا بالیرموك متساندین ولیصل کل رجل باصحابه ۔

سب جمع ہو کر ایک لشکر بن جاؤ اور مشرکوں کی صفیں مسلمانوں کی فوج سے اُلٹ دو اس کا یقین رکھو کہ تم اللہ کے مددگار ہو اور اللہ اپنے مددگار کو فتح دیتا ہے اور جو اس کا منکر ہو اس کو رسوا کرتا ہے تم سا گروہ قلت کی وجہ سے مغلوب نہیں ہو سکتا حقیقت حال یہ ہے کہ ہزاروں جمعیت اگر راہ معصیت اختیار کرے تو بے دست و پا ہو جاتی ہے لہٰذا واجب ہے کہ گناہوں سے خبردار رہو ۔ مقام یرموک میں اپنے اپنے نشان کے نیچے جمع ہو ۔ ہر امیر عسکر اپنے آدمیوں کے ساتھ نماز ادا کرے ۔

ہرقل کو جب یہ حال معلوم ہُوا تو اس نے بھی نقشۂ مہم بدل دیا کہ تمام لشکر ایک جگہ جمع ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کرے ۔ پڑاؤ ایسے موقع پر کیا جائے جس کا سامنا کشادہ ہو اور عقب تنگ ۔ تذارق امیر الامرا ہو ۔ مقدمہ پر جرجہ اور بائیں بازو پر دراقص و ہامان ۔ اسکے ساتھ یہ خوشخبری بھی تھی کہ باہان عنقریب اور تازہ دم فوج لے کر تمہارے پاس پہنچتا ہے ۔ فرمانِ شاہی کے مطابق رُومیوں کا لشکر واقوصہ نامی مقام پر اُترا ۔ یہ مقام دریائے یرموک کے کنارے پر تھا ۔

سامنے دریائے یرموک تھا۔ پُشت پر ایک سیدھا اُونچا پہاڑ۔ یہ محفوظ جگہ اس لیے انتخاب کی گئی کہ رُومیوں کے ہوش بجا ہوں مسلمانوں کا جو خوف طاری تھا وہ رفع ہُوا اور دل ٹھہریں۔ مسلمانوں نے اس موقع کا اندازہ کیا اور اپنا پڑاؤ چھوڑ کر رُومیوں کے سامنے مورچہ جمایا۔ اسطرح رومی پُشت اور پیش دونوں جانب سے محصور ہو گئے۔ حضرت عمرو بن العاص نے یہ کیفیت دیکھ کر اور مُسلمانوں سے کہا:

ایہا الناس ابشروا احصرت واللہ الروم وقلما جاء محصورٌ بخیرٍ۔

مژدہ ہو اے لوگو! قسم رب کی رومی محصور ہو گئے اور محصور فوج بہت کم فلاح پاتی ہے۔

مُسلمان تین مہینے تک محاصرہ کئے رہے۔ سامنے دریا حائل تھا پُشت پر پہاڑ اس لیے مُسلمان خود حملے سے مجبور تھے۔ رومی حملے سے دل چراتے تھے۔ معمولی حملے کرتے تھے جو پسپا کر دیئے جاتے۔ صفر کے مہینے میں اس اجتماع اور معرکہ کی کیفیت مدینہ پہنچی۔ حضرت خالد کے نام مراسلہ جاری ہُوا کہ عراق کے معاملات مثنٰی کے سپرد کر کے اپنے لشکر کے ساتھ یلغار کر کے شام پہنچو۔ حضرت خالد نے اس حکم کی پُوری تعمیل کی اور اس سرعت سے یرموک پہنچے کہ ان کے گھوڑے کے پاؤں بیکار ہو گئے۔ ربیع الآخر کے آخر میں یہ لشکر یرموک پہنچا۔ اسی روز باہان رومیوں کی کمک لے کر پہنچا تھا۔ اس لشکر کے آگے آگے پادریوں کے مختلف طبقے شماس، راہب، قسیس وغیرہ تھے اور مُسلمانوں کے مقابلہ کی ترغیب دیتے جاتے تھے۔ مورخین نے رومیوں کی فوج کی مجموعی تعداد دو لاکھ لکھی ہے۔ حضرت خالد کی

نو ہزار سپاہ اور بعض اور کمکوں کے شامل ہو جانے سے مسلمانوں کی جمعیت چھیالیس ہزار ہو گئی تھی۔ رومی باوجود اپنی کثرت اور حریف کی قلت کے حضرت خالد کے پہنچنے کے بعد بھی ایک مہینے تک خندق میں چھپے رہے۔ مذہبی پیشوا ان کو ابھارتے تھے نصرانیت کی تباہی کا ماتم کرتے تھے لیکن کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔ آخر کار بہت سی کوششوں کے بعد آمادۂ پیکار ہُوئے۔ یہ واقعہ جمادی الآخر کا ہے اس طرح پانچ مہینے کے محاصرہ کے بعد میدان میں نکلے مسلمانوں کی مختلف فوجیں اپنے اپنے امیر کے زیرِ حکم تھیں۔ کل فوج پر کوئی سردار نہ تھا جب رومیوں کے حملے کی اطلاع ہُوئی تو اس طرف سے ارادہ ہُوا کہ ہر حصّہ لشکر اپنے اپنے سردار کی ماتحتی میں مقابلہ کرے اس طرز کی جنگ کو عرب کی اصطلاح میں تساند کہتے تھے۔ حضرت خالد نے یہ حالت دیکھی تو تمام فوج کے سامنے ایک خُطبہ دیا اسمیں بیان کیا کہ آجکا دن ایک عظیم الشان دن ہے جو تاریخ میں یادگار رہے گا۔ اپنے ذاتی شرف اور فخر کو علیحدہ رکھ کر صرف مرضی الٰہی کے واسطے کام کرنا چاہیئے اور وہ طرز اختیار کرنا چاہیئے جس سے دُشمن نفع نہ اٹھا دے۔ متفرق امراء کی ماتحتی میں لڑنا قوت کو منتشر کرنا ہے وہ رائے قرار دو جو مناسب موقع ہو۔ سب نے کہا تم اپنی رائے ظاہر کرو۔ اُنہوں نے نے کہا خلیفہ کا اندازہ تھا کہ معرکے آسان ہوں گے جو واقعات یہاں پیش ہیں اگر ان کی خبر ہوتی تو ضرور وہ تمام لشکر کو ایک امیر کے ماتحت کر دیتے۔ اب یہ ہونا چاہیئے کہ کل لشکر ایک سپہ سالار کے حکم سے لڑے جو باری باری سے مقرر ہو۔ ایک دن ایک امیر ہو دوسرے روز دوسرا۔ اگر پسند ہو آج کی امارت میرے سپرد کر دو۔ سارے اُمراء نے اس رائے کو تسلیم کیا اور اس روز کی سپہ سالاری حضرت خالد کو

تفویض کی گئی۔ رُومیوں نے اپنی فوج نئی ترتیب سے قائم کی تھی۔ امیرِ اسلام نے بھی معمولی ترتیب چھوڑ کر جدید طرز اختیار کیا جو عرب نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ تمام سپاہ کو چالیس دستوں پر تقسیم کر کے ہر دستہ پر ایک کار آزمودہ سردار مقرر کیا۔ اور فوج والوں سے کہا کہ دشمن کی کثرت ہو تو اس سے بہتر ترتیب نہیں ہو سکتی۔ اس سے لشکر کی تعداد دونی معلوم ہوتی ہے۔ قلب پر حضرت ابو عبیدہ میمنہ پر حضرت شرجیل بن حسنہ اور عمرو بن العاص اور میسرہ پر حضرت یزید بن ابی سفیان مقرر کئے گئے۔ ایک دستہ حضرت خالد کے بیٹے عبدالرحمٰن کے سپرد تھا جن کی عُمر اس وقت اٹھارہ برس کی تھی۔ قاضی عسکر حضرت ابو درداء تھے۔ قاص حضرت ابو سفیان اور قاضی حضرت مقداد۔ غزوۂ بدر کے بعد حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ سُنّت مقرر فرما دی تھی کہ آغاز غزوہ سے پیشتر سپاہِ اسلام کے سامنے سُورہ انفال پڑھی جائے۔ یہ خدمت قاری کے سپرد تھی قاص کی یہ خدمت تھی سپاہیوں کے سامنے کھڑے ہو کر جوشِ جنگ تازہ کرتے۔ چنانچہ حضرت ابو سفیان ہر دستے کے سامنے جاتے اور کہتے:

انتم ذادۃ العرب وانصار الاسلام	تم جوانمردانِ عرب ہو اور اسلام کے انصار وہ جوا
وھم زادۃ الروم وانصار الشرک	مردان روم ہیں اور شرک کے مددگار اے اللہ آ
اللھم ھذا یوم من ایامک	کا دن معرکہ کا دن ہے اے اللہ! اپنی مدد
اللھم انزل نصرک علی عبادک۔	بندوں پہ نازل فرما۔

لشکر اسلام میں ایک ہزار صحابی شریک تھے جن میں سے سو بزرگ بدری تھے جب حضرت خالد لشکر کی صفیں قائم کر رہے تھے ایک شخص نے کہا رومیوں کی فوج کس قدر

زیادہ ہے اور ہماری کتنی کم۔ حضرت خالد نے کہا کہ نہیں ہماری فوج بہت ہی زیادہ ہے اور رومیوں کی بہت ہی کم۔ سپاہ کی قلت یا کثرت تعداد پر موقوف نہیں۔ نتیجۂ جنگ فتح و شکست سے اس کا اندازہ ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ترتیب صفوف کے بعد حضرت خالد نے حکم دیا کہ حضرت عکرمہ و حضرت قعقاع قلب کے دونوں بازوؤں سے نکل کر حملہ آور ہوں۔ معرکۂ کارزار گرم ہوا عین معرکہ میں مدینہ سے قاصد پہنچا۔ لوگوں نے حال دریافت کیا تو اس نے خیریت اور امداد آمد کی خوشخبری سُنائی۔ حضرت خالد کے پاس پہنچا تو آہستہ سے کچھ کہا اور مراسلہ دیا۔ اُنہوں نے مراسلہ کو بجنسہ ترکش میں رکھ لیا اور مصروفِ جنگ ہو گئے۔ ہنگامۂ دار و گیر میں جذب حق کا کرشمہ دیکھو۔ دوران کارزار میں رومیوں کا سردار جرجہ بن توذرا میدان میں آیا اور للکار کر کہا خالد میرے سامنے آئیں۔ حضرت خالد نے حضرت ابو عبیدہ کو اپنا نائب کیا اور خود آگے بڑھ کر دونوں لشکروں کے درمیان جرجہ سے ملے اوّل دونوں نے ایک دوسرے کو پناہ دی بعد ازاں اسقدر ملکر کھڑے ہوئے کہ گھوڑوں کی کنوتیاں مل گئیں۔ جرجہ سچ کہنا جھوٹ مت بولنا۔ آزاد مرد جھوٹ نہیں بولتے دھوکہ نہ دینا، فریب شُرفاء کا شیوہ نہیں۔ مَیں یہ پُوچھتا ہوں کہ خدا نے تمہارے نبی کے پاس آسمان سے تلوار بھیجی تھی وہ تم کو عطا ہوئی اور اس کا اثر ہے کہ تم ہر جگہ فتح یاب ہوتے ہو۔ حضرت خالد نہیں۔ جرجہ: پھر تمہارا لقب سیف اللہ کیوں ہے؟ حضرت خالد: اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو ہمارے پاس بھیجا۔ انہوں نے اسلام ہمارے سامنے پیش کیا۔ اوّل ہم سب کے سب بھاگ کر کنارہ کش ہو گئے۔ پھر بعض نے تصدیق کر کے

پیروی اختیار کی۔ بعض دُور دُور رہ کر جھٹلاتے رہے۔ مَیں اُن میں تھا جو تکذیب پر
قائم تھے۔ اس کے بعد اللہ نے ہمارے قلب پھیر دیئے۔ گردنیں جُھکا دیں اور
ہدایت بخشی۔ مَیں نے بھی نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت قبول کی اس وقت
ارشاد ہُوا:

انت سیفٌ من سیوف اللہ	اے خالدؓ تو خدا کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے جو
سلہ علی المشرکین۔	مشرکوں کے مقابلہ کے لیے نیام سے نکلی ہے۔

نتیجہ یہ ہُوا کہ اب مَیں سب مسلمانوں سے زیادہ مشرکوں کا دشمن ہوں۔ جرجہ:
تُم نے سچ کہا۔ اب یہ بتاؤ کہ دعوتِ اسلام کیا ہے۔ حضرت خالد: اس امر کا اقرار
کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں اور
اس پیام کی تصدیق جو وہ خُدا کی طرف سے لائے۔ جرجہ: اگر اس کو کوئی نہ
مانے۔ حضرت خالد۔ جزیہ دے۔ یہ بھی قبول نہ کرے۔ حضرت خالد: ہم اُس
اعلانِ جنگ کریں گے۔ جرجہ۔ جو تم میں شامل ہو اُس کا مرتبہ۔ حضرت خالد
اللہ کا فرمان ہے کہ سب مُسلمان درجہ میں برابر ہیں اعلےٰ ہوں یا ادنےٰ۔ اوّل ہوں
یا آخر۔ جرجہ۔ جو آج ایمان لائے وہ بھی رتبہ میں مساوی ہوگا۔ حضرت خالد۔
برابر ہوگا بلکہ افضل۔ جرجہ۔ یہ کس طرح۔ حضرت خالد۔ ہم نے جب اسلام
قبول کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حیات تھے۔ نزولِ وحی کا سلسلہ جاری تھا
آپؐ احکام آسمانی کی خبر دیتے تھے ہم معجزات و تصرفات مشاہدہ کرتے تھے اس
صورت میں ہمارا مسلمان ہونا لازم تھا۔ آج تم ان باتوں کو نہیں دیکھتے پھر بھی ایمان
لاتے ہو تو تم ہم سے افضل ہو۔ جرجہ۔ تم قسم سے کہتے ہو کہ تُم نے مجھ سے پُورا

سچ کہا۔ دھوکہ نہیں دیا۔ تالیفِ قلب نہیں کی۔ حضرت خالد۔ واللہ نہ مَیں نے
جھُوٹ کہا نہ مجھ کو تم سے یا کسی سے نفرت ہے جو تم نے پُوچھا اس کا سچا جواب
مَیں نے دیدیا۔ اللہ میرا مددگار ہے۔ جرجہ۔ بے شک تم نے سچ کہا یہ کہہ کر اپنی
ڈھال پس پُشت ڈال دی اور کہا مجھ کو اسلام کی تلقین کرو۔ حضرت خالد اس کو اپنے
خیمہ میں لے گئے۔ اوّل غسل دیا۔ پھر تلقینِ اسلام کے بعد جرجہ کو مقتدی بنا کر دو رکعت نماز
ادا کی۔ جرجہ کی یہ حالت دیکھ کر رومیوں نے عام ہلہ کر دیا۔ پہلے حملہ میں مُسلمانوں کے
قدم ڈگمگا گئے۔ حضرت عکرمہ اور حضرت حارث بن ہشام ثابت قدم رہے جس وقت
حضرت خالد جرجہ کو لے کر خیمہ سے نکلے تو رومی مسلمانوں کی صفوں میں گھُسے ہوئے تھے
حضرت خالد نے للکارا تو مسلمانوں نے دلیری سے حملہ کر کے دُشمن کو پیچھے ہٹا دیا۔
اب سیف اللہ نے حملہ کیا اور شمشیر آزمائی شروع ہوئی۔ چاشت سے دن ڈھلنے تک
میدان جنگ یکساں گرم رہا۔ انتہا یہ کہ عصر کی نماز اشارہ سے ادا کی گئی۔ یہ عالم
قابلِ دید تھا کہ وہ جرجہ جو صبح کو مسلمانوں کے دُشمن تھے اب حضرت خالد کے پہلو بہ پہلو
نشۂ ایمان میں سرشار رُومیوں پر وار کر رہے تھے۔ اور یہ قسمت کہ عین معرکہ میں
سعادتِ شہادت سے کامیاب ہوئے اور صرف وہ نماز ادا کر کے جو آغازِ اسلام کا
نیاز تھی سرخرو اپنے رب کے حضور میں پہنچے۔ رضی اللہ عنہ۔

شام کے قریب رومیوں کو لغزش ہوئی۔ یہ دیکھ کر حضرت خالد نے قلب کے
دستے لیکر خود حملہ کیا اور پہلے ہلہ میں دشمن کے پیادوں اور رسالوں کے درمیان
گھُس کر حدِ فاصل بن گئے۔ اوّل رسالوں کو شکست ہوئی اور میدان چھوڑ کر بھاگے۔
مُسلمان اُنکی شکست سے خوش ہُوئے لیکن اپنی جگہ پر قائم رہے تعاقب نہیں کیا۔

سواروں کے بعد حضرت خالد نے پیدلوں پر دھاوا کیا۔ ان کی جمعیت بھی متفرق ہوئی اور خندق میں جا گھسی۔ مسلمان متعاقب پہنچے۔ پُشت پر پہاڑ تھا اس لیے رُومی گھر گئے اور ہزاروں تلوار کے گھاٹ اُتر گئے۔ حضرت خالد نے بڑھ کر رُوم کے سپہ سالار تذارق کے خیمے پر قبضہ کر لیا۔ نماز مغرب بعد فتح تنگ وقت پر ادا کی رُومی شکست پا چکے تاہم متفرق لڑائی کا سلسلہ صبح تک جاری رہا۔ حضرت خالد کے گرد مُسلمانوں کے رسالے تھے اور تذارق کے خیمہ گاہ سے وہ تمام شب فوج کو لڑاتے رہے۔ شب کے وقت حضرت عکرمہ نے کہا کہ مَیں بہت سے معرکوں میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کرتا رہا۔ آج کیا مَیں رُومیوں سے بھاگ جاؤں گا۔ کون ہے جو مجھ سے موت پر بیعت کرے۔ یہ سُنکر حضرت ضرار بن ازور نے معہ چار سو مُسلمانوں کے اُن کے ہاتھ پر موت کی بیعت کی اور حضرت خالدؓ کے خیمے کے سامنے جم کر لڑنا شروع کیا یہاں تک کہ باستثنا معدودے چند سب کے سب شہید ہو گئے۔ صبح کو لوگ بحالت نزع حضرت عکرمہ اور اُن کے بیٹے عمرو بن عکرمہ کو اُٹھا کر حضرت خالد کے پاس لائے انھوں نے حضرت عکرمہ کا سر اپنی ساق پر اور عمرو بن عکرمہ کا ران پر رکھا۔ چہرہ سے خاک صاف کرتے مُنہ میں پانی ٹپکاتے اور کہتے جاتے۔ اس پر بھی ابن خنثیمہ کا خیال ہے کہ ہم کو شہادت کی تمنا نہیں۔ اسی حالت میں خدا کے دونوں برگزیدہ بندے راہگرائے عالم بالا ہوئے رضی اللہ عنہما۔ یہ واقعہ سُننے کے قابل ہے کہ اس لڑائی میں مسلمان بیبیاں بھی شریک تھیں اور اپنے دستے جداگانہ قائم کر کے سرگرم قتال ہوئیں۔ جویریہ بنت ابو سفیان کے دستے نے سب سے زیادہ نمایاں کام کیا۔ تین ہزار مُسلمان شہید

ہوئے۔ صبح ہوتے ہوتے میدان رُومیوں سے صاف ہو گیا۔ آفتاب طلوع ہوا اس نے اسلامی پرچم دریائے یرموک پر لہراتے دیکھا۔ یہ فتح بہت مہتم بالشان تھی۔ اس کی وجہ سے مسلمانوں کا سکہ رومیوں کے دل پر بیٹھ گیا اور فتوحات کا دروازہ کھُل گیا۔ اس معرکے کا یہ واقعہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ رومیوں نے آغاز کار میں ایک عرب جاسوس مسلمانوں کے لشکر میں بھیجا۔ ایک دن ایک رات وہ حالت جانچتا رہا، واپس گیا تو کہا:

باللیل رھبانٌ وبالیوم فرسانٌ لو سرق ابن ملکھم قطعوا یدہ ولو زنی رجم لاقامۃ الحق فیھم۔

وہ لوگ رات میں درویش ہیں دن میں شہسوار حق پرستی کا یہ عالم ہے کہ اگر ان کے بادشاہ کا بیٹا چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے۔ زنا کرے تو سنگسار کر دیا جائے۔

اب ہم کو یہ بتا دینا چاہیے کہ جو قاصد اثناء جنگ میں مدینہ سے آیا تھا وہ ابوبکرؓ کی رحلت کی خبر لے کر پہنچا تھا جو مراسلہ اُس نے دیا تھا وہ حضرت عمر خلیفہ ثانی کا تھا۔ اس میں حضرت خالد کی معزولی اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کی سپہ سالاری کا حکم درج تھا۔

وفات

ساتویں جمادی الآخر ۱۳ھ کو ہوا سرد تھی حضرت ابو بکرؓ نے غسل کیا۔ تو سردی کے اثر سے بخار ہو گیا۔ یہی بخار انجام کار مرض وفات ثابت ہُوا۔ پندرہ روز علیل رہے۔ علالت روز بروز بڑھتی گئی۔ جب مسجد تک آنے کی قوت نہ رہی تو حضرت عمرؓ کو امامت پر مقرر کیا۔ شدتِ مرض کی حالت میں بعض آدمیوں نے کہا کہ طبیب طلب کر لیا جائے۔ جواب دیا کہ طبیب دیکھ چکا۔

پُوچھا کیا کہا۔ فرمایا اس کا قول ہے:

انی فعال لما ارید

مَیں جو ارادہ کر لیتا ہوں کر ڈالتا ہوں۔

مُدعا سمجھ کر لوگ چُپ ہو رہے ایام علالت اس گھر میں بسر کیے جو مسجد نبوی کے قریب حضرت سرور عالمؐ کا عطا کردہ تھا۔ حضرت عثمان پڑوس میں تھے اس لیے اکثر حاضر باش رہے۔ سختی مرض زیادہ بڑھی تو حضرت ابو بکرؓ کو اپنے جانشین کی فکر ہوئی اور چاہا کہ مسلمانوں کو اختلاف سے بچانے کے لیے اپنا جانشین نامزد کریں۔ اوّل خود سوچا پھر اکابر صحابہ سے مشورہ کیا اور بعد مشورہ حضرت عمرؓ کی نسبت رائے قائم کی۔ بعض صحابہ نے جن کو حضرت عمرؓ کی سختی کا اندیشہ تھا اپنا یہ خیال مشورہ کے وقت ظاہر کیا تو جواب دیا کہ عمرؓ کی سختی اس وجہ سے تھی کہ وہ میری نرمی سے واقف تھے۔ میرا تجربہ ہے کہ جب میں غصہ میں ہوتا تو وہ غصہ فرو کرنے کی کوشش کرتے۔ نرمی دیکھتے تو سختی کا مشورہ دیتے بعد مشورہ جب رائے پختہ ہو گئی تو ایک روز حضرت ابو بکرؓ بالا خانے پر تشریف لے گئے۔ شدت ضعف کی وجہ سے کھڑے ہونے کی طاقت نہ تھی ان کی بی بی حضرت اسماء بنت عمیس دونوں ہاتھ سے سنبھالے ہوئے تھیں نیچے آدمی جمع تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق نے ان کو مخاطب کر کے کہا:

اترضون ممن استخلف علیکم فانی واللہ ما آلوت من جھد الرأی ولا ولیت ذا قرابۃ وانی قد استخلفت عمر

آیا تم اس شخص کو پسند کرو گے جس کو میں ولی عہد مقرر کروں اسکو خوب سمجھ لو اور بہ بالقسم کہتا ہوں کہ میں نے غور وفکر کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور میں نے اپنے کسی قرابت دار کو تجویز نہیں

بن الخطاب فاسمعوا واطیعوا۔

کیا عمر بن الخطاب کو اپنا جانشین مقرر کرتا ہوں تم میرا کہنا سنو اور مانو۔

سب نے کہا سمعنا واطعنا ہم نے سُنا اور مانا اس کے بعد نیچے اُتر آئے۔ اور حضرت عثمانؓ کو طلب کر کے کہا عہد نامہ لکھو۔ چنانچہ حسب ذیل عہد نامہ لکھا گیا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ھذا ما عھد ابو بکر بن ابی قحافۃ فی آخر عھدہ بالدنیا خارجا منھا وعند اول عھدہ بالآخرۃ داخلا فیھا حیث یومن الکافر ویوقن الفاجر ویصدق الکاذب انی استخلفت علیکم بعدی عمر بن الخطاب فاسمعوا لہ واطیعوا وانی لم آل اللہ ورسولہ ودینہ ونفسی وایاکم الا خیرا فان عدل فذلک ظنی بہ وعلمی فیہ وان بدل فلکل امرئ ما اکتسب والخیر اردت ولا اعلم الغیب وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

یہ عہد نامہ ابو بکر بن ابی قحافہ کی آخر زندگی کا ہے جبکہ وہ دنیا سے سفر کر رہا ہے اور عالم داخلی کی پہلی ساعت ہے جہاں کافر مومن بد عقیدہ عقیدتمند اور جھوٹا صادق شعار ہو جاتا ہے میں نے عمر بن الخطاب کو اپنا ولیعہد کیا لہٰذا انکا حکم سنو اور مانو۔ خوب سمجھ لو کہ اس بارے میں خدا، اس کے رسول، اسکے دین کی خود اپنی اور تمہاری خیر خواہی کا حق ادا کرنے کی میں نے پوری پوری کوشش کی ہے اور اگر وہ عدل کریں گے تو ان کی نسبت میرا خیال اور یہی علم ہے اگر وہ بدل گئے تو ہر شخص اپنے عمل کا پھل پائے گا۔ نیت میری بخیر ہے۔ غیب کا علم نہیں جو لوگ ظلم کریں گے وہ جلد دیکھ لیں گے کہ وہ کس پہلو پر پلٹا کھائیں گے اور تم پر سلام اور اللہ تعالٰے کی رحمت اور برکتیں۔

اس عہد نامہ کی تحریر و تشہیر کے بعد ایک شخص نے آکر حضرت ابوبکر سے کہا کہ تم نے عمر کو ولیعہد مقرر کیا ہے حالانکہ تم دیکھتے تھے کہ وہ لوگوں سے تمہارے سامنے کیا برتاؤ کرتے تھے۔ اس وقت کیا ہوگا جب وہ تنہا رہ جائیں گے۔ تم اپنے رب کے پاس جا رہے ہو۔ تم سے رعیت کے بابت سوال کرے گا۔ حضرت صدیق اس وقت لیٹے ہوئے تھے یہ کلام سُن کر کہا مجھ کو بٹھا دو۔ بیٹھ گئے تو کہا :

اباللہ تخوفنی اذا لقیت اللہ قلت استخلفت علی اھلک خیر اھلک۔

کیا تم مجھکو خدا سے ڈراتے ہو میں جس وقت خدا کے سامنے جاؤں گا تو کہوں گا کہ میں تیری اُمت سے بہتر بندہ کو اپنا جانشین مقرر کر آیا ہوں۔

اس کے بعد حضرت عمر کو تخلیہ میں طلب کیا اور جو سمجھانا تھا وہ سمجھایا۔ پھر ہاتھ اُٹھا کر دُعا کی :

اللھم انی لم ارد بذالک الا اصلاحھم وخفت علیھم الفتنۃ فعملت فیھم بما انت اعلم بہ واجتھدت لھم رأیا ولیت علیھم خیرھم واقواھم واحرصھم علی ما ارشدھم وقد حضرنی من امرک ما حضر فاخلفنی فیھم عبادک ونواصیھم بیدک اصلح الیھم ولاتھم واجعلہ من خلفاء ک الراشدین واصلح لہ رعیتہ۔

اے اللہ میں نے یہ انتخاب صرف مسلمانوں کی بہتری کے ارادہ سے کیا ہے اور اس اندیشہ سے کہ انمیں فسانہ ہو میں نے وہ عمل کیا ہے جسکو تو بہتر جانتا ہے میں نے خوب غور و فکر کے بعد رائے قائم کی ہے کہ بہترین اور قوی ترین شخص کو ولیعہد کیا ہے۔ جو سب سے زیادہ مسلمانوں کی راست روی کا خواہشمند ہے۔ میرے لئے تیرا جو حکم آنا تھا آچکا اب میں انکو تیرے سپرد کرتا ہوں وہ تیرے بندے ہیں اور انکی باگ تیرے ہاتھ میں ہے اے اللہ! انکے حاکموں کو صلاحیت دے اور ولیعہد کو خلفائے راشدین کے زمرہ سے کر اور اسکی رعیت کو صلاحیت بخش۔

یہ اُوپر بیان ہو چکا ہے کہ روانگی شام کے وقت حضرت خالد عراق کی امارت مثنیٰ بن حارثہ کے سپُرد کر گئے تھے۔ اُن کی روانگی کے بعد ادھر کسریٰ نے تازہ دم فوجیں بھیجیں ادھر حضرت ابوبکر کی علالت کے سبب مدینہ سے مراسلت کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ حضرت مثنیٰ نے متردد ہو کر بشیر کو اپنا نائب کیا اور خود مدینہ آپہنچے۔ جس دن وہ پہنچے حضرت ابوبکر کی حیات کا آخری دن تھا تاہم حالات مفصل سُننے اور خطرے کا اندازہ کر کے حضرت عمر کو بُلایا اور کہا کہ جو میں کہتا ہوں اسکو سُنو اور اُس پر عمل کرو۔ مجھ کو توقع ہے کہ آج میری زندگی ختم ہو جائے گی۔ دن میں میرا دم نکلے تو شام سے پہلے اور رات میں نکلے تو صُبح ہوتے ہوتے مُسلمانوں کو ترغیب دیکر مثنیٰ کی مدد پر آمادہ کرنا۔ کسی مصیبت کی وجہ سے تُم کو دین کی خدمت اور حکم ربانی کی تعمیل سے نہ رکنا چاہیئے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رحلت سے بڑھ کر کون سی مصیبت ہو سکتی ہے تم نے دیکھا ہے اس روز میں نے کیا کیا تھا۔ قسم ہے رب کی اگر میں اُس روز حکمِ الہٰی کی بجا آوری میں کوتاہی کرتا تو اللہ ہم کو تباہ کر کے سزا دیتا اور مدینہ میں آگ بھڑک اُٹھتی۔ اگر خدا تعالےٰ شام میں مُسلمانوں کو فتح دے تو خالد کے لشکر کو عراق بھیج دینا اس لیے کہ وہ کار آزمودہ اور وہاں کے حالات سے واقف ہیں۔ ایک روز دورانِ مرض میں دریافت کیا کہ مُجھ کو بیت المال سے کل وظیفہ اب تک کس قدر ملا ہے حساب کیا گیا تو چھ ہزار درہم ہوئے (پندرہ سو روپیہ تخمیناً) ہدایت کی کہ میری فلاں زمین فروخت کر کے بیت المال کا روپیہ واپس دیدیا جائے۔ چنانچہ وہ زمین بیچ کر روپیہ واپس دیدیا گیا۔ یہ بھی تحقیقات کی گئی کہ بیعت کے بعد میرے مال میں کیا اضافہ ہُوا۔ معلوم ہُوا کہ ایک حبشی غلام ہے

جو بچوں کو کھلاتا ہے اور اسی کے ساتھ مسلمانوں کی تلواروں پر صیقل کرتا ہے۔ ایک اونٹنی ہے جس پر پانی آتا ہے اور ایک سوا روپیہ کی چادر۔ وصیت کی کہ وفات کے بعد یہ سب چیزیں خلیفۂ وقت کے پاس پہنچادی جائیں۔ رحلت کے بعد جب یہ چیزیں حضرت فاروق کے سامنے آئیں تو روئے اور کہا کہ اے ابوبکر تم اپنے جانشینوں کے واسطے کام بہت دشوار کر گئے۔ قریب وفات حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کتنے پارچہ کا کفن دیا گیا تھا کہا تین پارچہ کا وصیت کی کہ میرے کفن میں بھی تین کپڑے ہوں۔ دو یہ چادریں جو میرے بدن پر ہیں دھو لی جائیں۔ ایک کپڑا نیا لے لیا جائے۔ ام المومنین نے کہا کہ ابا جان ہم تنگدست نہیں کہ نیا کپڑا نہ خرید سکیں۔ جواب میں فرمایا کہ جان پدر نئے کپڑے بمقابلہ مُردوں کے زندوں کے لیے زیادہ موزوں ہیں۔ کفن تو پیپ اور لہو کے واسطے ہے۔ انتقال کے روز دریافت کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کس روز رحلت کی تھی؟ لوگوں نے کہا دوشنبہ کو۔ بشکر کہا مجھ کو امید ہے میری موت بھی آج ہی ہو۔ وصیت کی کہ میری قبر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس بنائی جائے۔ عین سکرات کے وقت جب دم سینہ میں تھا حضرت عائشہؓ نے حسرت سے یہ شعر پڑھا:

وابیض تستسقی الغمام بوجهه	ربیع الیتامیٰ عصمةٌ للا رامل
وہ نورانی صورت جس کے چہرے کی تازگی سے بادل سیراب ہو	یتیموں پر شفیق بیواؤں کی پناہ ہے

آنکھیں کھول دیں اور کہا یہ شان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ آخر کلام یہ تھا:

رب توفنی مسلماً والحقنی بالصالحین	اے رب تو مجھ کو مسلمان اٹھا اور صالحوں سے ملا۔

۲۲ جمادی الآخر ۱۳ھ دوشنبہ کا دن گزرنے پر عشاء و مغرب کے درمیان وفات پائی۔ نماز جنازہ کی امامت حضرت عمرؓ نے کی اور اسی شب کو حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے قریب اس طرح دفن کئے گئے کہ ان کا سر آنحضرتؐ کے شانہ کے برابر رہا۔ رضی اللہ عنہ۔ عمر ۶۳ سال کی تھی۔ ایام خلافت دو برس تین مہینے گیارہ دن۔

ذاتی حالات

قبول اسلام کے وقت مالی سرمایہ چالیس ہزار درہم تھا تجارت ذریعۂ معاش تھی اس سرمایہ کو خدمت اسلام میں صرف کرتے رہے۔ جب ہجرت کر کے مدینہ کو چلے تو پانچ ہزار درہم باقی تھے سب ساتھ لے آئے اور مدینہ میں تجارت اور مالی خدمتِ اسلام کا شغل جاری رہا۔ وفات کے وقت نقد ایک حبہ نہ تھا۔ خلافت کے بعد بھی شغل تجارت قائم رہا۔ روزانہ چادریں اپنے کندھے پر لاد کر بازار کو لے جاتے اور خرید و فروخت کرتے۔ چھ مہینے تک یہی عمل رہا جب مشاغل خلافت بڑھے اور فرصت مفقود ہوئی تو صحابہ کو جمع کیا اور کہا کہ خلافت کے کاروبار اب تجارت کی مہلت نہیں دیتے اور میں اہل و عیال کے پرورش کا سامان مہیا نہیں کر سکتا۔ یہ سن کر صحابۂ کرام نے ان کے مصارف خزانہ سے مقرر کر دیئے۔ بعد غور معیار مصارف مدینہ کے ایک مہاجر کا خرچ رکھا گیا۔ اس میں اختلاف ہے کہ مقدار وظیفہ کی کیا تھی؟ بعض نے کہا ہے کہ آدھی بکری کا گوشت روزانہ۔ معمولی لباس۔ شرط یہ تھی کہ پرانا لباس بیت المال میں داخل کر دیا جائے۔ بعض نے نقد وظیفہ کا تقرر لکھا ہے۔ نقدی کی مقدار باختلاف روایت ڈھائی ہزار درہم سالانہ سے چھ ہزار درہم تک بتائی گئی ہے۔ میں کم و بیش اڑھائی

ہزار کو ترجیح دیتا ہوں۔ وجہ یہ کہ وفات کے وقت جو حساب وظیفہ کا کیا گیا اس
کے بموجب کچھ اُوپر سوا دو سال کا وظیفہ چھ ہزار درہم ہُوا۔ خلافت سے پہلے
سنخ میں رہتے تھے وہیں انکی بی بی حضرت حبیبہ بنت خارجہ انصاریہ کی سکونت تھی
ایک کمل کا حجرہ (چھوٹا خیمہ یا راوٹی) مکان کی بساط صرف اس قدر تھی۔ چھ مہینے
تک زمانۂ خلافت میں بھی اسی میں قیام رہا۔ جس روز وہاں جاتے اکثر پیدل کبھی
اپنے ذاتی گھوڑے پر عشاء کے بعد جاتے۔ صبح کو واپس آجاتے۔ خلافت سے
پہلے محلہ کی لڑکیاں ان کے پاس بکریاں لاتیں اور وہ دُودھ دوہ دیتے۔ جب
خلیفہ ہو کر محلّے میں گئے تو لڑکیوں نے دیکھ کر کہا اب یہ دُودھ نہیں دوہیں گے
سُنکر کہا ضرور دوہوں گا۔ مجھ کو خدا کی ذات سے اُمید ہے کہ اس منصب سے میری
کسی عادت میں فرق نہیں آئے گا۔ چنانچہ محلّہ میں آتے تو دریافت کرتے کہ دودھ دوہ دوں
یا بکریاں چرا لاؤں جیسے لڑکیاں کہہ دیتیں اُسکے مطابق تعمیل کرتے۔ خود ان کی
بکریاں بھی تھیں کبھی کبھی ان کو بھی لے جاکر چراتے۔ شفقت کا یہ عالم تھا کہ جب
محلے میں نکلتے تو بچے بابا بابا کہہ کر دوڑتے اور آکر لپٹ جاتے۔ جمعہ کے دن صبح کو
سُنخ میں ٹھہر کر داڑھی میں سرخ خضاب لگاتے غسل کرتے کپڑے بدل کر مدینہ
آتے اور نماز جمعہ پڑھاتے۔ چھ مہینے کے بعد سُنخ کی سکونت ترک کرکے مدینہ کے
مکان میں متصل مسجد نبویؐ سکونت اختیار کی۔ ان بزرگوں کی روزانہ زندگی کا
انداز اس حدیث سے ہوتا ہے:

ایک روز حضرت سرورِ عالمؐ نے صحابہ کو مخاطب کرکے دریافت فرمایا
آج تم میں سے روزہ کس نے رکھا۔ حضرت ابو بکرؓ: میں نے۔ جنازہ کے ساتھ کون

گیا۔ حضرت ابو بکرؓ: میں۔ محتاج کو کھانا کس نے کھلایا؟ حضرت ابو بکرؓ: میں نے۔ بیمار کی
عیادت کس نے کی؟ حضرت ابو بکرؓ: میں نے۔ سُن کر ارشاد ہُوا کہ یہ اوصاف جس میں
جمع ہوں گے وہ جنتی ہے۔

مدینہ کے کنارہ پر ایک بڑھیا اندھی محتاج رہتی تھی۔ حضرت عمرؓ ہمیشہ اُس کے
یہاں اس ارادہ سے جاتے کہ کچھ خدمت کریں۔ مگر جب پہنچتے تو معلوم ہوتا کہ کوئی
آدمی اُن سے پہلے آکر خدمت کر گیا۔ ایک روز دروازہ میں چھپ کر کھڑے ہوگئے۔
وقت مقررہ پر وہ شخص آیا دیکھا تو وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ تھے۔ یہ خلافت
کا زمانہ تھا مقررہ وظیفہ کے خرچ میں کس قدر احتیاط تھی اس کا اندازہ اس
واقعہ سے کیجیے۔

ایک روز اُن کی ایک بیوی نے شیرینی کی فرمائش کی۔ جواب دیا میرے پاس
کچھ نہیں۔ اُنہوں نے کہا اجازت ہو تو میں خرچ روزمرہ میں سے کچھ دام بچا کر
جمع کرلوں۔ فرمایا جمع کرو۔ کچھ روز میں چند پیسے جمع ہوگئے تو حضرت ابو بکرؓ کو دیئے
کہ شیرینی لادو۔ پیسے لے کر کہا معلوم ہوا کہ یہ خرچ ضروری سے زیادہ ہیں لہٰذا
بیت المال کا حق ہیں۔ چنانچہ وہ پیسے خزانہ میں جمع کرادیئے اور اسی قدر اپنا
وظیفہ کم کردیا۔ منہ پر کوئی تعریف کرتا تو کہتے اے اللہ! تو میرا حال مجھ سے
بہتر جانتا ہے اور تعریف کرنے والوں سے میں اپنا حال بہتر جانتا ہوں۔ جو
ان کا گمان میری نسبت ہے اُس سے اچھا مجھ کو کردے اور میرے وہ گناہ بخش
دے جنکو یہ نہیں جانتے اور جو یہ کہتے ہیں اسکا مواخذہ مجھ سے نہ کرنا۔ اپنا سب
کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے تھے دوسروں سے کام لینے سے سخت احتراز تھا تھا

یہ کہ اونٹ کی سواری میں نکیل ہاتھ سے گر پڑتی تو خود اتر کر نکیل اٹھاتے۔ ایک بار لوگوں نے کہا کہ آپ ہم سے کیوں نہیں کہتے جواب دیا کہ:

ان حبیبی صلے اللہ علیہ وسلم امرنی ان لا اسئل الناس شیئا۔	میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا مجھ کو حکم ہے کہ انسان سے میں کچھ نہ مانگوں۔

حلیہ

رجل ابیض نحیف خفیف احنی لا یستمسک ازارہ یسترخی عن حقویہ معروق الوجہ غائر العینین ناتی الجبھۃ عاری الاشاجع حسن القامۃ۔	گورے چٹے دبلے پتلے آدمی تھے کمر جھکی ہوئی تھی تہبند کمر پر نہیں رک سکتا تھا نیچے کو کھسک جاتا چہرہ ستا ہوا۔ آنکھیں بیٹھی ہوئیں پیشانی بلند۔ انگلیوں کے جوڑ گوشت سے خالی۔ قد موزوں۔

امام زہری کا قول ہے کہ بال گھونگر والے تھے آواز دردناک تھی بات بہت کم کرتے تھے جو کہتے سنجیدہ کہتے۔ انداز کلام ذوق و محویت کی شان لیے ہوئے تھا۔ قلب نہایت رقیق و نرم تھا اسی لیے اواہ لقب تھا۔ سخی باوقار حلیم و شجاع تھے۔ رائے نہایت سدید و صائب تھی اسکا جوہر وہ نور ایمانی تھا جس کا نام اصطلاح شرح میں فراست مومن ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفا میں لکھتے ہیں (خلاصۃ) حضرت ابو بکرؓ علم کتاب و سنت میں مثل دیگر علمائے صحابہؓ تھے۔ جس صفت میں سب سے ممتاز تھے وہ یہ تھی کہ جب کوئی مشکل مسئلہ یا مشورہ پیش آتا تو وہ اپنی فراست کو اس پر غور کرنے میں صرف کرتے۔ خداوند تعالیٰ غیب سے ایک شعاع ان کے دل پر ڈال دیتا جس سے حقیقت حال روشن ہو جاتی۔ اس شعاع کا ظہور لطیفہ قلبیہ سے ہوتا۔ لہذا حقیقت حال بصورت عزیمت ظاہر ہوتی نہ برنگ تخیل۔

اصول حکومت

بنیاد حکومت قرآن و حدیث تھی جب کوئی معاملہ پیش آتا اول قرآن کی طرف رجوع کرتے اگر کلام مجید میں نہ ملتا حدیث کی طرف توجہ کرتے اگر خود حدیث نہ معلوم ہوتی مجمع میں آکر دریافت کرتے کہ فلاں معاملہ میں کسی کو حدیث یاد ہے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ بہت سے آدمیوں کو حدیث معلوم ہوتی۔ اس پر شکر کرتے کہ میری مدد کے واسطے اس قدر سنت رسول کے جاننے والے موجود ہیں جب حدیث بھی نہ ملتی تو صحابہ میں جو اہل الرائے اور منتخب بزرگ تھے انکو جمع کرکے مشورہ کرتے جس رائے پر اجماع ہوتا اسی پر کاربند ہوتے۔ اسلام نے جو مساوات کی روح پھونکی تھی اس کو آخر عہد تک نہایت اہتمام سے قائم رکھنے کی کوشش کی۔ بیت المال کی آمدنی مساوی طور پر تقسیم کی جاتی تھی اس میں جوان بوڑھے مرد یا عورت کا کچھ امتیاز نہ تھا۔ ان کا قول تھا:

لا یحقرن احد کم احدا من المسلمین فان صغیر المسلمین عند اللہ اکبر۔	تم میں سے کوئی شخص کسی مسلمان کو حقیر نہ سمجھے اس لیے کہ چھوٹا سا مسلمان (بھی) اللہ کے نزدیک بڑا ہے۔

ایک مرتبہ مجمع میں بیٹھے تھے ایک شخص نے آکر کہا "السلام علیکم یا خلیفہ رسول اللہ" سنکر کہا تمام مجمع میں خصوصیت کے ساتھ مجھ کو سلام کیوں کیا؟ خلافت کے بعد جب اول مرتبہ ادائے عمرہ کیواسطے مکہ گئے تو لوگ ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگے سب کو علیحدہ کر دیا اور کہا اپنی اپنی راہ چلو۔ شان تکبر سے ہمیشہ احتراز رکھا۔ ایک مرتبہ ایک فاتح امیر نے نامۂ فتح کے ساتھ دشمن کا سر بھیجا تو بہت خوش ہوئے لانیوالے نے عذر کیا کہ ہمارے دشمنوں کا یہی طرز عمل ہے۔ فرمایا کہ ہم روم و فارس کے مقلد نہیں۔

اس کے بعد عام ہدایت جاری کر دی کہ آئندہ صرف فتح کی خبر بھیجی جائے دُشمن کا سر نہ بھیجا جائے۔ عُمّال کی بابت یہ اصول تھا کہ جو عامل حضرت سرورِ عالمؐ کے مقرر کردہ تھے وہ بدستور قائم و برقرار رہے۔ سادگی اسلام کو ہمیشہ اپنا شعار رکھا۔ اس سادگی و وقار پر ہزار تکلف اور شان و شوکت نثار تھے۔ اہلِ ارتداد کے مقابلے سے جب اسلام کے لشکر لوٹے تو ان کے ہمراہ ذوالکلاع حمیری بھی یمن سے آئے۔ یہ اس شاہی خاندانِ حمیر کی یادگار تھے جو مدتوں یمن پر جاہ و جلال کے ساتھ فرمانروا رہ چکا تھا۔ شاہی خاندان کے دورِ آخر کے تکلفات و ناز و نعمت کا پورا جلوہ ذوالکلاع میں نظر آتا تھا۔ سر پر جواہر نگار تاج تھا۔ بدن میں زرّیں پوشاک، طلائی پیٹی کمر میں۔ ہمراہی بھی زرق برق لباس میں تھے۔ مدینہ آکر خلیفہ کو دیکھا تو گیروا چادریں۔ ایک باندھے ایک اوڑھے۔ اسلامی وقار و تمکین کا دفعتہً یہ اثر ہُوا کہ ذوالکلاع نے لباس شاہی چھوڑ کر دلق درویشی اختیار کرلی۔ ایک روز مدینہ کے بازار میں نکلے تو کمر سے چمڑے کی معمولی پیٹی بندھی تھی۔ ایک ہمراہی نے دیکھ کر حسرت سے کہا کہ یہ کیا شکل بنالی۔ جواب دیا کہ اسلامی اثر سے لایعنی تکلفات بے لُطف ہو گئے۔

عمال و کاتب

حضرت ابو عبیدہ بن الجراح خزانہ کے مہتمم تھے اور جزیہ کی آمدنی کا حساب اُن کے سپرد تھا۔ بیعت کے بعد انہوں نے کہا کہ مال کا کام خلیفہ کی طرف سے مَیں انجام دوں گا، خزانہ جب تک حضرت ابوبکرؓ سُنح میں رہے وہاں رہا قفل پڑا رہتا تھا پہرہ نہ تھا۔ لوگوں نے کہا کہ پہرہ رکھیے تو جواب دیا قفل کافی ہے۔ جب مدینہ کی سکونت اختیار کی تو خزانہ مدینہ چلا آیا۔ قاضی حضرت عمرؓ تھے۔ اس

عہد کی صفائی معاملات کا یہ عالم تھا کہ ایک سال تک ایک مدعی بھی حضرت عمرؓ کے سامنے نہ آیا۔ کاتب حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت علی مرتضٰیؓ، حضرت عثمانؓ تھے۔ معمولی خط و کتابت کا کام جو حاضر ہوتا اس سے لے لیا جاتا۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس زمانہ میں ان خدمات کا معاوضہ لینا سخت بُرا سمجھا جاتا تھا۔ جو کام کرتے محض حسبۃً للہ۔

عُمّال

مقام حکومت	نام عامل
مکہ (حجاز)	عتاب بن اسید
طائف "	عثمان بن ابی العاص
صنعاء (یمن)	مہاجر
حضرموت "	زیاد بن لبید انصاری
خولان "	یعلی بن منیہ
زبید و رمع (یمن)	حضرت ابوموسیٰ اشعری
جند "	حضرت معاذ بن جبل
بحرین "	علاء حضرمی
نجران "	جریر بن عبداللہ
دومۃ الجندل (عراق)	عیاض بن الغنم
عراق	مثنیٰ بن حارثہ
ثور (بلاد مدینہ)	جرش

علمی کمالات و علمی خدمات

قرآن: قرآن شریف بطور وحی تئیس برس تک تھوڑا تھوڑا حضرت سرورِ عالمؐ پر نازل ہوتا رہا۔ بہت سے صحابہ کرام ایسے تھے جن کو کلام مجید پورا حفظ تھا۔ نہایت کثرت سے ایسے جن کو مختلف حصے یاد تھے۔ جب وحی نازل ہوتی تھی تو حضرت سرورِ عالمؐ کاتبان وحی میں سے کسی کو طلب فرماتے اور لکھوا دیتے۔ حضرت زید بن ثابت کو یہ سعادت اکثر حاصل ہوتی۔ کاغذ نایاب تھا اس لیے علاوہ کاغذ کے وحی چمڑے کے ٹکڑوں، کھجور کی چھال، بکری کے شانہ کی ہڈی، سفید پتھر کے ٹکڑوں پر بھی لکھی جاتی اور یہ لکھے ہوئے اجزاء آنحضرتؐ کے پاس محفوظ رہتے ہے

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

یمامہ کے پر شر معرکہ سے یہ نتیجۂ خیر نکلا کہ کلام مجید ایک جگہ تحریر ہو کر بشکل کتاب محفوظ ہو گیا۔ اُوپر سن چکے ہو کہ معرکۂ مذکور میں کس کثرت سے مہاجرین و انصار شہید ہوئے۔ ان میں کثرت سے ایسے تھے یا کل یا جزو قرآن کے حافظ (قراء) تھے حضرت عمرؓ نے اس واقعہ سے متاثر ہو کر حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ مسلمانوں کو ابھی بہت سے معرکے سر کرنے ہیں اگر ہر معرکے میں اسی کثرت سے حفاظ شہید ہوئے تو قرآن کا خدا حافظ ہے آپ حکم دیجئے کہ کلام مجید ایک جگہ ضبط تحریر میں آجاوے۔ اول حضرت صدیقؓ نے اس بات پر تامل کیا کہ جو فعل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا کس طرح کریں۔ مگر بحث کے بعد حضرت ابوبکر پر منکشف ہو گیا کہ حضرت عمرؓ کی رائے صحیح ہے۔ حضرت زید بن ثابت کو طلب کر کے اول اپنی اور حضرت عمرؓ کی گفتگو کا اعادہ کیا۔ پھر کہا تم جوان ذی ہوش ہو تم پر کوئی الزام نہیں ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں وحی لکھا بھی کرتے تھے۔ لہٰذا تم کلام مجید لکھ کر ایک جگہ جمع کر دو۔ اول حضرت زید بن ثابت کو بھی وہی تامل ہوا جو حضرت صدیق کو ہوا تھا لیکن مباحثہ کے بعد اطمینان ہو گیا اور اُنہوں نے خدمت قبول کی۔ حضرت زید کا مقولہ ہے کہ اگر پہاڑ کو اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ رکھ دینا میرے سپرد کیا جاتا تو وہ آسان ہوتا بمقابلہ اس کے کہ جمع قرآن کا بوجھ میرے سر پر رکھا گیا۔ اس سے اُس احساس کا اندازہ ہو سکتا ہے جو حضرت زید بن ثابت کو خدمتِ مفوضہ کی ذمہ داری کا تھا۔ شانۂ نبوت سے تحریر شدہ اجزاء برآمد کئے گئے۔ مزید احتیاط و غایت اہتمام صحت کے لحاظ سے حضرت زید بن ثابت ان اجزاء کا مقابلہ باربار ان صحابہ سے کرتے جن کو کل یا جز کلام مجید یاد تھا اور جب کوشش کا کوئی دقیقہ باقی نہ رہتا تب کاغذ پر نقل کرتے۔ غرض اسی جانفشانی و تحقیق کے ساتھ حضرت زید بن ثابت نے تمام کلام مجید کاغذ پر لکھ کر ایک جگہ جمع کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس کا نام مصحف رکھا۔ یہ نسخہ خاص حضرت ابوبکر کی تحویل میں رہا۔ حضرت صدیقؓ خود بھی حافظِ قرآن تھے اور حضرت سرورِ عالمؐ کے عہد میں کاتبانِ وحی کے زمرہ میں شامل، لکھنا اس زمانہ میں اسقدر کمیاب تھا کہ قریش کے اتنے بڑے قبیلے میں بقول علامہ بلاذری آغاز اسلام میں صرف سترہ آدمیوں کو لکھنا آتا تھا۔ زمانۂ خلافت میں جو اشکال معانی کلام مجید کے متعلق پیش آیا اس کو حل کیا۔

حدیث: متعدد احادیث ایسی ہیں جو حضرت ابوبکرؓ کے سوال کے جواب میں ارشاد ہوئیں۔ اسطرح وہ انکے عالم وجود میں آنے کا باعث ہوئے۔ ۱۴۲ احادیث جو کہ بروایت حضرت صدیق مروی ہیں ان کو امام سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں ایک جگہ جمع

کر دیا ہے۔ قلت روایت کے اسباب شاہ ولی اللہ صاحب نے یہ لکھے ہیں کہ آنحضرتؐ کے بعد بہت کم زندہ رہے۔ وہ تھوڑا زمانہ بھی اور قسم کی مہمات کے طے کرنے میں گزر گیا۔ ان کے معاصر قریباً سب صحابہ تھے۔ جو خود عالم حدیث و روایت حدیث سے مستغنی تھے۔ تابعین بہت ہی کم تھے۔ واقعات بھی زیادہ پیش نہیں آئے۔ باوجود قلت روایت کے امہات مسائل میں حضرت ابوبکر کی روایتیں سند ہیں، مثلاً طریقۂ نماز حضرت ابوبکر سے ابن زبیر نے حاصل کیا ان سے امام عطاء نے ان سے ابن الجریج نے ابن الجریج کی نسبت یہ قول ہے کہ ان کے زمانہ میں ان سے بہتر نماز کا ادا کرنے والا نہ تھا اہل مکہ ادائے نماز میں طریقۂ صدیقیہ کے پابند تھے۔ زکوٰۃ کی مقادیر کی بابت سب سے زیادہ مستند روایت حضرت صدیق کی ہے۔

فقہ: فقہ کے متعلق اجتہاد کا قاعدہ مقرر کیا جو سارے مجتہدوں کا دستور العمل بن گیا شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ "وے رضی اللہ عنہ شیخ و استاد جمیع مجتہدین شود بوضع این قاعدہ" فقہ کے جو مشکل مسائل پیش آئے ان کو حل کیا مثلاً میراث جدہ۔ میراث جد۔ تفسیر کلالہ۔ حد شرب خمر، مہم شام کی روانگی کے وقت جو احکام امراء لشکر کو دیئے وہ صدیوں تک امرائے اسلام کا دستور العمل رہے۔

تعبیر رویا: یہ بھی ایک علم الٰہی ہے جسکا ادراک جدید روشنی میں مشکل ہے، وجہ یہ کہ جو لوگ نہیں سمجھتے یا نہیں سمجھا سکتے وہ نور وصفائی باطن سے محروم ہیں جبکی ضرورت اس فن کیلئے ہے۔ بہرحال فن تعبیر کے امام ابن سیرین کا قول ہے:

کان ابوبکر اعبر هذه الامة بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں ابوبکر فن تعبیر میں سب سے زیادہ ماہر تھے۔

تصوف: سب سے اول تصفیہ و تزکیۂ باطن کے واسطے کلمہ طیبہ کا طریقۂ ذکر حضرت ابوبکرؓ نے تلقین کیا۔ حضرت جنیدؒ کا قول ہے کہ توحید میں بزرگ تر کلام حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ مقولہ ہے:

سبحان من لم یجعل لخلقه سبیلا الا بالعجز۔	پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی مخلوق کیلئے سوائے عجز کے کوئی راستہ نہیں بتایا۔

کشف المحجوب میں ہے طریقۂ تصوف کے امام ابوبکر ہیں انقطاع عن الاغیار جو جان تصوف ہے ان کے اس خطبہ سے عیاں ہے الا من کان یعبد محمدًا الخ محبت دنیا سے پاک و صاف ہونے کا شاہد غزوہ تبوک کا وہ واقعہ ہے ماخلفت لعیالك۔ قال اللہ و رسولہ۔ آنحضرتؐ نے پوچھا اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑ آئے؟ کہا اللہ اور اس کا رسول۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے تصوف صدیقی کے ذیل میں حضرت صدیق اکبر کے ان تمام اوصاف کی تفصیل کی ہے جو اساس تصوف ہیں۔ مثلاً توکل، احتیاط، تواضع، خدا کی مخلوق پر شفقت، رضا، خوف الٰہی۔ جو صاحب شائق تفصیل ہوں ازالۃ الخفاء دیکھیں۔ ہم مضمون کے عام فہم نہ ہونے کے سبب زیادہ تفصیل سے نہیں لکھتے۔ صرف خوف الٰہی کی ایک مثال پر اکتفا کرتے ہیں۔ حضرت ابوبکر نے ایک روز درخت پر ایک چڑیا دیکھی تو حسرت سے کہا:

طوبی لك یا طیر تاکل من الشجرة وتستظل من الشجرة وتصیر الی غیر حساب یالیت ابابکر مثلك۔	اے پرندے خوشحال ہے تو پھل کھاتا ہے درخت کے سایہ میں بسر کرتا ہے بے حساب کتاب کا کچھ کھٹکا نہیں کاش ابوبکر تجھ سا ہوتا۔

نماز میں خشیت الٰہی کا یہ عالم تھا کہ ایک چوب خشک کی طرح کھڑے ہوتے

طریقہ نقشبندیہ جو آج تک عالم میں فیض رساں ہے اسکا سلسلہ بواسطہ حضرت امام جعفر صادق حضرت ابوبکر صدیق تک پہنچتا ہے۔

عقائد: عقائد کے متعلق حضرت ابوبکر نے سب سے اول توحید و رسالت کا امتیاز علی الاعلان اس وقت ظاہر کیا جبکہ خود صحابہ کرام متحیر تھے۔ یعنی بعد وفات حضرت سرور عالمؐ اس موقع کا خطبہ قیامت تک یادرہے گا۔ بعد بیعت رسالت و خلافت کے حدود صاف صاف علیحدہ قائم کر دیئے۔ خلیفہ ہونے کے بعد ایک خطبہ خاص اس مبحث کے متعلق دیا۔ اس میں بوضاحت بیان کیا کہ دو باتیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیساتھ مخصوص تھیں وہ مجھ سے طلب نہ کرنا ایک وحی دوسری عصمت اسکو اس کثرت کیساتھ خطبوں میں ظاہر کیا کہ سامعین کے ذہن میں راسخ ہو گیا۔ علاوہ خطبوں کے اور مواقع پر بھی اسکا لحاظ اہتمام کیساتھ رکھا۔ کسی نے اُن سے خلیفۃ اللہ کہا تو کہا:

انا خلیفۃ رسول اللہ وانا بہ راض۔ — میں رسول اللہ کا خلیفہ ہوں اور اسی سے خوش ہوں۔

ایک بار کسی پر غصے ہو رہے تھے ایک شخص نے کہا حکم ہو تو اسکی گردن اڑادوں فوراً کہا کہ یہ رتبہ خدا نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیا تھا۔ واقعات وفات میں پڑھ چکے ہو کہ شدت سکرات میں جب ایک مدحیہ شعر انکی شان میں پڑھا گیا تو آنکھیں کھولکر کہدیا کہ یہ شان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ زکوٰۃ اور نماز میں جو تفریق قائم کرنیکی کوشش کیگئی اسکو آغاز خلافت میں کس شدت سے روکا۔

علم انساب: شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے کہ آج انساب قریش کے متعلق جسقدر علم ہے وہ بروایت زبیر بن بکار محفوظ ہے۔ انہوں نے مصعب زبیری سے

حاصل کیا۔ مصعب نے بہ یک واسطہ مطعم بن جبیر سے مطعم نے حضرت ابوبکر سے۔

بلاغت خطب: مورخین کا قول ہے کہ صحابہ کرام میں فصاحت خطبہ میں دو صحابی سب سے ممتاز تھے ایک حضرت ابوبکرؓ دوسرے حضرت علی مرتضےؓ۔

بعض مقولے:

لایحقرن احد کم احداً من المسلمین فان صغیر المسلمین عند اللہ کبیر — تم میں سے کوئی شخص کسی مسلمان کو حقیر خیال نہ کرے اسلئے کہ چھوٹا سا مسلمان بھی خدا کے نزدیک بڑا ہے

وجدنا الکرم فی التقوی والغناء فی الیقین والشرف فی التواضع۔ — ہم نے بزرگی تقویٰ میں بے نیازی یقین میں اور عزت تواضع میں دیکھی۔

ایک خطبہ میں حدیث کے یہ الفاظ بیان کئے تھے جو آج کل ہر مسلمان کا دستور العمل بننا چاہئیں۔

ولا تقاطعوا ولا تباغضوا ولا تحاسدوا وکونوا عباد اللہ اخواناً کما امرکم۔ — باہم قطع تعلق مت کرو بغض نہ رکھو حسد مت کرو اور اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی ہو جاؤ جیسا کہ تم کو حکم ہے۔

حضرت خالد بن ولید کو ایک موقع پر نصیحت کی:

فرمن الشرف یتبعک الشرف واحرص علی الموت توهب لک الحیوٰۃ۔ — جاہ و عزت سے بھاگو۔ عزت تمہارے پیچھے پھرے گی۔ موت پر دلیر رہو۔ تم کو زندگی بخشی جائے گی۔

محبت رسول: حضرت صدیق اکبرؓ محبت رسول میں غرق تھے۔ حضرت عروہ نے روایت کی ہے کہ حضرت سرور عالمؐ کی وفات کے دوسرے سال حضرت ابوبکرؓ

نے ایک اور خطبہ دیا اس میں یہ الفاظ زبان سے نکلے۔

انی سمعت نبیکم صلے اللہ علیہ وسلم عام الاول۔ یعنی میں نے تمہارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے پارسال سنا ہے۔

پارسال کے لفظ سے حادثۂ وفات یاد آگیا۔ بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور بے تاب ہوگئے۔ سنبھل کر پھر خطبہ کا سلسلہ درست کیا پھر ان الفاظ سے دل پہ چوٹ لگی اور مضطرب ہوگئے۔ تیسری دفعہ ضبط کی کوشش کی اور خطبہ ختم کیا۔ آنحضرتؐ اپنی انا حضرت ام ایمن کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے۔ بعد خلافت حضرت ابوبکرؓ نے ایک روز حضرت عمرؓ سے کہا:

انطلق بنا الی ام ایمن نزورھا کما کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یزورھا۔ چلو سنت نبویؐ کی پیروی کریں اور ام ایمن سے مل کر لیں۔

وہاں پہنچے تو وہ رونے لگیں۔ دونوں نے کہا روتی کیوں ہو اللہ کا تقرب اُسکے رسول کیواسطے بہتر ہے کہا یہ میں بھی جانتی ہوں۔ صدمہ اس کا ہے کہ وحیؑ آسمانی کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ یہ سُن کر دونوں صاحب رونے لگے۔ امام سیوطی نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا اصلی سبب وفات آنحضرتؐ کی رحلت تھی۔ اس صدمہ سے گھلتے رہے یہاں تک کہ انتقال ہوگیا۔

ازواج واولاد

حضرت ابوبکرؓ نے چار شادیاں کیں۔ دو زمانہ جاہلیت میں دو بعد اسلام ایام جاہلیت کی بی بیاں قتیلہ اور ام رومان تھیں۔ قتیلہ قبیلۂ بنی عامر سے تھیں اسلام سے مشرف نہیں ہوئیں۔ ام رومان مالک بن کنانہ کی اولاد سے تھیں اسلام لائیں۔ ہجرت کے وقت حضرت ابوبکر ان کو مکہ میں چھوڑ گئے تھے

چند روز کے بعد مدینہ بُلالیا۔ ذی حجہ سنہ ۶ھ میں بمقام مدینہ رحلت کی۔ حضرت سرور عالمؐ نے دستِ مبارک سے دفن کیا۔ زمانۂ اسلام میں ایک شادی ام رومان کی وفات کے بعد اسماء بنت عمیس سے سنہ ۸ھ میں کی۔ دوسری شادی حبیبہ بنت خارجہ انصاریہ سے۔ حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے وقت یہ دونوں بی بیاں زندہ تھیں۔ اولاد تین لڑکے اور تین لڑکیاں۔ اولاد میں سب سے بڑے حضرت عبدالرحمٰن ام رومان کے بطن سے سنہ ۵۳ھ میں وفات پائی۔ دوسرے لڑکے عبداللہ قتیلہ کے بطن سے غزوۂ طائف میں حضرت سرور عالمؐ کے ہمرکاب شریک تھے۔ تیر کا زخم پاؤں میں لگا۔ اس کے صدمہ سے شوال سنہ ۱۱ھ میں انتقال ہُوا۔ تیسرے لڑکے محمد ہیں۔ یہ مدینہ میں پیدا ہوئے اُن کی والدہ اسماء بنت عمیس تھیں قاسم ان کے صاحبزادے تھے جو فقہاء سبعہ میں ہیں۔ لڑکیوں میں سب سے بڑی حضرت اسماء تھیں (انکی والدہ قتیلہ) حضرت زبیر کے ساتھ شادی ہوئی۔ سترہ آدمیوں کے بعد دائرۂ اسلام میں شامل ہوئیں۔ دُوسری لڑکی حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ تھیں (حضرت عبدالرحمٰن کی حقیقی بہن) تمام ازواج مطہرات میں حضرت سرور عالمؐ کو زیادہ محبُوب تھیں۔ ان کا علم وفضل مسلّم ہے۔ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں لکھا ہے کہ جو آٹھ بزرگ صحابہ کرام ہیں اجتہاد و فقہ میں ممتاز تھے ان میں سے حضرت عائشہ بھی تھیں۔ تیسری لڑکی ام کلثوم ہیں ان کی والدہ بنت خارجہ اپنے والد کی وفات کے بعد پیدا ہوئیں۔ لڑکوں میں سلسلۂ نسل حضرت عبدالرحمٰن اور محمد سے چلا۔ حضرت عبداللہ کا سلسلہ ختم ہوگیا۔

بابِ سوم[1]

فضائل

اللہ تعالےٰ بہتر جانتا ہے کہ اس تیرہ سو برس کے عرصہ میں کتنی کروڑ مرتبہ خطیبوں نے برسرِ ممبر حضرت ابوبکر کے "افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق" ہونے کا اعلان کیا ہے اور اس طرح اُن کی فضیلت کی سچی شہادت علیٰ رُؤس الاشہاد دا کی ہے۔ آج بھی چار دانگِ عالم میں جہاں جہاں اہلِ حق ہیں یہ پُرعظمت صدا ہر جُمعہ کو لاکھوں منبروں پر بلند ہوتی ہے۔

فضائل صدیقی کی بنیاد تین شہادتوں پر ہے:

(۱) آیات کلام مجید (۲) احادیث نبویؐ اور (۳) اقوالِ صحابہ کرام و اہلبیت اطہار و سلف صالحین رضی اللہ عنہ۔

اسی ترتیب سے ہم فضائل بیان کرتے ہیں۔

۱- آیات کلام مجید

وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰیۙ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰیۙ وَمَا خَلَقَ الذَّکَرَ وَالْاُنْثٰۤیۙ اِنَّ سَعْیَکُمْ لَشَتّٰیؕ

قسم رات کی جب ڈھانکے اور دن کی جب روشن ہو، نر اور مادہ پیدا کرنے کی ضرور تمہاری

[1] اس باب کا ماخذ یہ کتب ہیں: (۱) تاریخ الخلفاء امام جلال الدین سیوطی (۲) ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفاء، شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ (۳) الصلوۃ الہامعہ سید مصطفیٰ بن کمال الدین خلوتی (۴) الاصابہ امام ابن حجر عسقلانی (۵) الاستیعاب حافظ ابن عبدالبر (۶) الریاض النضرۃ محب الدین طبریؒ ۔

فاما من اعطی واتقی وصدق بالحسنی فسنیسره للیسری
وسیجنبها الاتقی الذی یؤتی ماله یتزکی وما لاحد عنده من نعمة تجزی الا ابتغاء وجه ربه الاعلی ولسوف یرضی

کوشش قسم قسم کی ہے، جس نے دیا اور پرہیزگار رہا اور سچ مانا اچھی بات کو تو ہم اس کو آہستہ آہستہ آسانی میں پہنچا دیں گے اور سب سے زیادہ پرہیزگار جہنم کی آگ سے بچایا جائے گا جو دیتا ہے اپنا مال تزکیہ باطن کے لیے اور نہیں اس پر کسی کا احسان جس کا بدلہ دیا جائے گا مگر اپنے رب اعلیٰ کی خوشنودی کے واسطے دیتا ہے اور ضرور آئندہ خوش ہو گا۔"

مفسرین نے بالاتفاق لکھا ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ نے راہِ خدا میں حضرت بلالؓ وغیرہ کو (جو اسلام لانے کی وجہ سے اپنے کافر آقاؤں کے پنجۂ عذاب میں گرفتار تھے) خرید خرید کر آزاد کیا تو ایک روز اُن کے والد ابو قحافہ نے کہا کہ "جانِ پدر! میں یہ دیکھتا ہوں کہ تم کمزور اور حقیر غلاموں کو مول لے لے کر آزاد کرتے ہو، کاش ہم قوی اور کام کے آدمیوں کو آزاد کرتے تو وہ تمہارے کام آتے اور پشت پناہ بنتے۔" حضرت ابوبکرؓ نے یہ سُن کر جواب دیا کہ "میں صرف اللہ تعالےٰ کی خوشنودی کا طالب ہوں۔" اس پر آیاتِ بالا نازل ہوئیں۔

امام ابن جوزی نے لکھا ہے کہ "اجماعِ اُمت اس پر ہے کہ آیت وسیجنبها الاتقی حضرت ابوبکر کی شان میں نازل ہوئی ہے"۔ اس موقع پر ایک نکتہ سُن لینا چاہیئے۔ آیت بالا میں اللہ تعالےٰ نے حضرت ابوبکر کو "اتقی" (سب سے زیادہ پرہیزگار) فرمایا ہے۔ ایک دوسری آیت ہے: اِنَّ اکرمکم عند اللہ اتقکم (اللہ کے نزدیک بالتحقیق تم میں وہ سب سے زیادہ بزرگ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے) ان دونوں

آیتوں کے مفہوم سے منطق کی شکل اول بنتی۔ ابوبکر اتقکم و کل اتقکم اکرمکم۔ فابوبکر اکرمکم (ابوبکر سب سے زیادہ پرہیزگار ہیں سب سے زیادہ پرہیزگار سب سے زیادہ بزرگ ہے۔ لہٰذا ابوبکر سب سے زیادہ بزرگ ہیں)

شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ "احادیث سے حضرت ابوبکرؓ کی افضلیت کی چار وجوہات معلوم ہوتی ہیں۔ اول امت میں مرتبہ علیا پانا، صدیقیت اسی سے مراد ہے۔ دوئم ابتدائے اسلام میں حضرت سرورِ عالمؐ کی اعانت۔ سوئم نبوت کے کاموں کو اتمام تک پہنچانا۔ چہارم آخرت میں علوِ مرتبہ" یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی عملی قوت اور عقلی قوت حضرات انبیاء علیہم السلام کی عقلی و عملی قوت سے مشابہ تھی جس مال کو راہِ خدا میں صرف کر کے حضرت ابوبکر لطفِ خداوندی سے ممتاز ہوئے اس کی شان دیکھو۔

حدیث میں آیا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر کے مال کو مثل اپنے مال کے بے تکلف خرچ فرماتے تھے۔ ارشادِ نبویؐ ہے کہ "ہم پر جس کا بھی احسان تھا ہم نے اُس کا بدلہ دے دیا صرف ابوبکر کا احسان باقی ہے۔ اس کا بدلہ قیامت کے دن خداوند تعالےٰ بخشے گا۔"

اس حدیث کے ساتھ ایک حدیث اور ملاؤ:

یا ابا بکر عطاک اللہ الرضوان الاکبر قال وما رضوانه الاکبر قال ان اللہ یتجلی للخلق عامة و یتجلی لک خاصة۔

اے ابوبکر! اللہ تعالےٰ نے تم کو سب سے بڑی خوشنودی سے سربلند فرمایا، عرض کیا یا رسول اللہ سب سے بڑی خوشنودی کیا ہے؟ فرمایا اللہ تعالےٰ مخلوق کیواسطے تجلی عام فرمائیگا اور تمہارے واسطے تجلی خاص۔

اب تمہارے ذہن میں عطائے ربانی کا مفہوم آسکے گا۔ ایک اور امر غور طلب ہے۔ آیات بالا میں حضرت کے خوش ہو جانے کا وعدہ ہے۔ سورۂ والضحیٰ میں حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو خوش فرما دینے کا وعدہ ہے۔ اس سے بھی حضرت ابوبکرؓ کے علو مرتبہ کا پتہ چلتا ہے۔

(۲) الا تنصروه فقد نصره الله اذا اخرجه الذين كفروا ثانی اثنين اذ هما فی الغار اذ يقول لصاحبه لا تحزن ان الله معنا۔

اگر تم رسول کی مدد نہیں کرتے ہو تو کچھ پرواہ نہیں) اللہ تعالےٰ نے ان کی مدد اُس وقت کی جب کافروں نے ان کو نکال دیا اور وہ دو میں کے ایک تھے جب دونوں غار میں تھے جس وقت وہ اپنے دوست سے کہتے تھے ملول نہ ہو خدا ہمارے ساتھ ہے۔

اس آیت میں اس موقع کا ذکر ہے جب ہجرت کے وقت حضرت سرور عالمؐ کی رفاقت میں حضرت ابوبکرؓ غارِ حرا میں تھے اس وقت کا ارشاد "ان الله معنا" اس قوتِ ایمانی کا جلوہ دکھلاتا ہے جس کے سامنے مخالفین نے بھی سر تسلیم وادب خم کر دیا ہے۔ ایسے موقع پر صدیق اکبر کی معیت ان کے علو مرتبہ کی اعلےٰ شہادت ہے۔ رضی اللہ عنہ۔

علو مرتبہ کا پایہ بلند تر ہو جاتا ہے بلکہ اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے جس کے آگے صرف رسالت اور نبوت کا رتبہ ہے۔ جب ارشادِ نبویؐ پر غور کیا جائے۔ ما ظنک باثنین الله ثالثهما "اے ابوبکر تمہارا اُن دو کی نسبت کیا گمان ہے جن کا تیسرا اللہ ہے"۔ جب کفار سرگرمِ تلاش غارِ حرا کے مُنہ پر آکھڑے ہوتے ہیں اور یارِ غار کو اُن کے پاؤں نظر آتے ہیں تو اُن کی زبان سے بے اختیار نکلتا ہے؛ اے اللہ کے رسولؐ!

ہم تو اب پائے گئے"۔ اس وقت ارشادِ بالا صادر ہوتا ہے۔ غور کیجئے۔ قربِ الٰہی کا یہ وہ مقام ہے جہاں صرف اللہ، رسول اور صدیق ہیں۔ اللہ اکبر! ثانی اثنین میں دُوسری شان ہے، حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو اس آیت میں دو میں کا ایک فرمایا ہے۔ اس طرح صدیق اکبرؓ آپ کے دوسرے ہوتے ہیں۔ یہ تقرب نبوی کا جلوہ ہے اور یہ رفاقت اور اثنینیت محض اتفاقی نہ تھی۔ نتیجہ تھی اس فدائیت اور سرگرمی خدمت کا جس کی سعادت روز ازل سے حضرت صدیق کے مقدر میں تھی۔ یارِ غار نے یہ معیت جان، مال، اہل عیال، ریاست و آسائش۔ غرض جو کچھ ان کی بساط میں تھا سب کچھ آپ پہ سے قربان کر کے حاصل کی تھی۔

ان الله اشترىٰ من المومنين انفسهم واموالهم بان لهم الجنة۔

اللہ تعالےٰ نے مومنین سے جنت دیکر انکی جانیں اور ان کے مال خرید لیے ہیں۔ اہل تقرب کی جنت رضائے دوست ہے۔

شعر

بمزدیادِ خود باغ بہشتم وعدہ فرمودی
مگر باغ بہشتی بہتر از یادِ تو می باشد

تم حالاتِ صدیق اکبر میں پڑھ چکے ہو کہ وہ بعثت سے ایک سال پہلے سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ مردوں میں سب سے پہلے ایمان لائے اور دوسرے ہوئے۔ ارشاد ہے (ابتداء اسلام میں) میں نے کہا کہ میں سارے انسانوں کی جانب خدا کا رسول ہوں تم نے کہا جھوٹ ہے۔ ابوبکر نے کہا سچ ہے۔

آنحضرتؐ آغازِ اسلام میں حرم محترم میں خانۂ کعبہ کے قریب مشغول عبادت ہیں کفار حملہ آور ہوتے ہیں اور گلوے مبارک میں چادر ڈال کر گھونٹتے ہیں۔ کسی

نے حضرت صدیق سے جا کہا" ادرک صاحبک" اپنے دوست کی خبر لو۔ یہ سن کر آپ بے تابانہ آئے اور کفار کے نرغے میں گھس گئے اور یہ کہہ کر حملہ کیا:

ویلکم اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ وقد جاءکم بالبینات من ربکم۔	تم پر افسوس ہے کیا تم ایک شخص کو اس کہنے پر قتل کرتے ہو کہ میرا رب اللہ ہے اور حال یہ ہے کہ وہ تمہارے پاس خدا کی جانب سے روشن دلیلیں لے کر آیا ہے۔

کافروں نے جو سلوک اُن کے ساتھ کیا وہ تم پڑھ چکے ہو۔

جب ہجرت کا حکم آیا اور مدینہ کا ستارہ چمکا یارِ غار سب کو چھوڑ کر ہمرکاب تھے۔ غرض وہ کونسا معرکہ تھا اور موقع کہ جہاں صدیق اکبر پروانہ وار شمع رسالت (فداہ ابی و امی) پر نثار نہ تھے۔ اس جان نثاری و جانبازی نے قلب اقدس میں وہ جگہ پائی تھی کہ ہر موقع پر ارشاد ہوتا تھا "انا و ابوبکر و عمر" (میں اور ابوبکر اور عمر)

ایک موقع پر جب نطق حیوان کا ایک واقعہ آپ نے بیان فرمایا تو سامعین نے تعجب کیا۔ ارشاد ہوا میرا اور ابوبکر اور عمر کا اس پر ایمان ہے۔ حالانکہ یہ دونوں جلیل القدر صحابی اُس وقت حاضر نہ تھے۔ غزوہ بدر میں نشست گاہ نبوی کی پاسبانی حضرت صدیق کے سپرد ہوئی، یہ ایسا معرکہ خیروقت تھا کہ اس کے لحاظ سے حضرت شیر خدا نے حضرت ابوبکر کو اشجع الناس (سب آدمیوں سے زیادہ بہادر) فرمایا ہے۔ حیاتِ نبوی میں احکام دین بتانے میں ثانی ہوئے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت سرور عالم کی حیات مبارک کے زمانہ میں سوائے صدیق اکبر کے کسی نے فتوے نہیں دیا۔ ناسازیٔ مزاج مبارک میں امامت نماز میں ثانی ہوئے۔ حضرت سرور عالم کی

وفات کے بعد خلیفۂ رسول اللہ کی حیثیت سے ترقیٔ دین کی خدمت اُن کی سپرد ہوئی۔ اس وقت جس عزم اور قوت ایمانی کا ظہور ہوا وہ صدیق اکبر کا حصہ تھا۔ اس کا حال حالات واقعات میں آپ کو سُنا چکے۔ مفارقت محبوب کا صدمہ جان لے کر گیا۔ امام سیوطی کا قول آپ نے پڑھا کہ" ان کا اصل مرض آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مفارقت تھی" جب تک زندہ رہے اس صدمہ سے گھُلتے رہے۔ حیاتِ ظاہری ختم ہوئی تو پہلوئے مبارک میں جگہ ملی اور دوسرے ہوئے۔

ارشاد نبوی ہے کہ قیامت کے روز سب سے اوّل میری قبر کشادہ ہوگی، پھر ابوبکر کی پھر عمر کی۔ میری امت میں سب سے اوّل ابوبکر داخل جنت ہوں گے۔ دعا فرمائی کہ اے اللہ ابوبکر کو جنت میں میرے درجہ میں جگہ دینا۔ اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں کہ سلوکِ رفاقت کن مقاماتِ عالیہ تک پہنچا ہے۔ صوفیائے کرام نے فرمایا ہے کہ حضرت صدیق کو ضمنیتِ کبری کا مرتبہ حاصل تھا اور ان کی نسبت ابراہیمی تھی۔ کلام مجید میں حضرت ابراہیم کا لقب اوّاہ (دردمند) ہے۔ صحابۂ کرام حضرت صدیق کو اسی لقب سے یاد کرتے تھے۔

(۳) ھو الذی یصلی علیکم و ملئکتہ لیخرجکم من الظلمت الی النور وکان بالمؤمنین رحیما ۵ (سورہ احزاب رکوع ۶)	وہی ہے جو رحمت بھیجتا ہے تم پر اور اس کے فرشتے تاکہ نکالے تم کو تاریکیوں سے روشنی میں اور ہے ایمان والوں پر مہربان۔

جب آیت ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبی نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! اللہ تعالےٰ جو فضل و کرم آپ پر فرماتا ہے اس میں ہم کو بھی شریک فرماتا ہے؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

(۴) ووصینا الانسان بوالدیہ احسانا۔ (سورہ الاحقاب رکوع ۲)

اور ہم نے انسان کو ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا ہے۔

(۵) وشاورھم فی الامر۔ (سورہ آل عمران رکوع ۱۷)

اور ان سے مشورہ لو ہر کام میں۔

حضرت سرورِ عالمؐ کا ارشاد ہے کہ میرے دو وزیر اہل آسمان میں سے ہیں۔ جبرئیل اور میکائیل اور دو اہل زمین میں سے ہیں ابوبکر اور عمر۔ ایک اور حدیث میں ارشاد ہے ابوبکر اور عمر میرے سمع و بصر ہیں۔

(۶) وان تظھرا علیہ فان اللہ مولٰہُ وجبریل وصالح المومنین والملئکتہ بعد ذٰلک ظھیرًا۔ (التحریم رکوع ۱)

اگر تم دونوں چڑھائی کرو اُن پر (رسول پر) تو اللہ ان کا کارساز ہے اور جبرئیل اور صالح اہلِ ایمان اور اس کے بعد فرشتے مددگار ہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ مفسرین کے سوادِ اعظم کا قول ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی شان میں نازل ہوئی۔ صالح مومنین سے وہی مراد ہیں۔

(۷) ولمن خاف مقام ربہٖ جنتان۔

اور جو شخص خدا تعالےٰ کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔

آیاتِ بالا کے سوا جس قدر آیتوں میں صحابۂ کرام، سابقون اولون، مہاجرین مجاہدین اور مومنین وغیرہ کے اوصاف و فضائل ہیں ان میں حضرت ابوبکر صدیق اولیٰ شریک ہیں۔ اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ بکثرت آیاتِ قرآنی سے فضائلِ صدیقی ثابت ہیں۔

احادیثِ نبوی:

خاص حضرت ابوبکرؓ کے فضائل میں ایک سو اکیاسی (۱۸۱) حدیثیں مروی ہیں۔ اٹھاسی (۸۸) حدیثیں ایسی ہیں جن میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی فضیلت کا بیان ہے۔ سترہ (۱۷) حدیثیں ایسی ہیں جن میں مجموعی طور پر خلفائے ثلٰثہ کے فضائل ہیں۔ چودہ (۱۴) حدیثوں میں خلفائے اربعہ کے فضائل مجموعی طور پر مذکور ہیں۔ سولہ (۱۶) حدیثوں میں خلفائے اربعہ کے ساتھ اور صحابۂ کرام بھی شریک فضائل ہیں۔ اس طرح کُل تین سو سولہ (۳۱۶) حدیثیں حضرت ابوبکر کے فضائل میں روایت کی گئی ہیں۔ یہ تعداد تو ان حدیثوں کی ہے جو کہ مخصوص نام کے ساتھ ہیں۔ جن ہزاروں حدیثوں میں مہاجرین، مومنین وغیرہ اہلِ ایمان و صلاح کے فضائل مذکور ہیں وہ بھی حضرت صدیق اکبرؓ کی شان میں صادق آتی ہیں۔ چند حدیثیں بطور نمونہ اور تبرک کے یہاں نقل کی جاتی ہیں۔

(۱) ما دعوت احدًا الی الاسلام الا کانت لہ عنہ کبوۃ وتردد ونظر الا ابا بکر ما عتم عنہ حین ذکرتہ وما تردد فیہ۔ (ابن اسحاق)

میں نے کسی کو اسلام کی دعوت نہیں دی مگر اسمیں اس کی طرف سے ایک گونہ کراہت تردد اور فکر پائی۔ لیکن ابوبکر سے جب میں نے اسلام کا ذکر کیا تو انہوں نے بلا توقف و تردد اس کو قبول کر لیا۔

(۲) ھل انتم تارکون لی صاحبی انی قلت ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعًا فقلتم کذبت وقال ابوبکر صدقت۔ (بخاری)

کیا تم میرے دوست کا ستانا میری خاطر سے چھوڑ دو گے میں نے کہا کہ اے لوگو میں تم سب کے پاس اللہ کی طرف سے رسول ہو کر آیا ہوں تم نے کہا جھوٹ، ابوبکر نے کہا سچ ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر میں کچھ جھگڑا ہو گیا تھا۔ حضرت ابو بکر فوراً نادم ہوئے اور معافی چاہی۔ فاروق اعظم نے معاف کرنے سے انکار کیا۔ حضرت ابو بکر نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر یہ ماجرا عرض کیا۔ آپ نے فرمایا: یا ابا بکر یغفر اللہ لک یا ابا بکر یغفر اللہ لک۔ اے ابو بکر! تمہاری خطا اللہ بخشے۔ اے ابو بکر تمہاری خطا اللہ بخشے۔ اس عرصہ میں حضرت عمر کو اپنے فعل پر ندامت ہوئی اور حضرت ابو بکر کے مکان پر پہنچے۔ وہاں نہ ملے تو کاشانۂ نبوت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے اُن کو دیکھا تو چہرۂ مبارک غصّے سے متغیر ہو گیا۔ حضرت ابو بکر یہ کیفیت دیکھ کر ڈر گئے اور گھٹنوں کے بل گر کر دوبارہ عرض کی انا کنت اظلم منہ۔ زیادتی میری جانب سے ہوئی۔ اس وقت حدیثِ بالا ارشاد فرمائی گئی۔ راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد پھر کسی نے حضرت ابو بکر کو کبھی ایذا نہیں پہنچائی۔

(۳) ماطلعت الشمس ولا غربت علی احد افضل من ابی بکر الا ان یکون نبی۔

سوائے نبی کے آفتاب کسی ایسے شخص پر طلوع یا غروب نہیں ہُوا جو ابو بکر سے زیادہ بزرگ ہو۔

(۴) ابو بکر خیر الناس الا ان یکون نبی۔ (طبرانی)

سوائے نبیوں کے ابو بکر سب آدمیوں سے بہتر ہیں۔

(۵) ان اللہ یکرہ فوق السماء ان یخطاء ابو بکر۔ (طبرانی۔ ابونعیم وغیرھما)

اللہ تعالےٰ آسمان پر اس بات کو ناپسند فرماتا ہے کہ ابو بکر خطا کریں۔

(۶) عن عمرو بن العاص قال قلت یا رسول اللہ من احب الناس

عمرو بن العاص نے کہا ہے کہ میں نے آنحضرتؐ سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک سب آدمیوں میں

الیکؐ قال عائشۃ قلت من الرجال قال ابوھا قلت ثم من قال عمر بن الخطاب۔ (بخاری و مسلم)

زیادہ کون محبوب ہے، فرمایا عائشہ۔ میں نے کہا مردوں میں فرمایا ابو بکر۔ پھر عرض کی اس کے بعد فرمایا عمر بن الخطاب۔

اس حدیث کو حضرت انس، حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس نے بھی روایت کیا ہے۔

(۷) عن علی ابن ابی طالب قال کنت مع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذ طلع ابو بکر و عمر فقال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لابی بکر و عمر ھذان سیدا کھول اھل الجنۃ من الاولین والآخرین الا النبیین والمرسلین لا تخبرھما (ترمذی وغیرہ)

حضرت علی ابن ابی طالب سے روایت ہے کہ میں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر تھا کہ حضرت ابو بکر اور عمر نمایاں ہوئے۔ آپ نے اُن کی نسبت فرمایا کہ یہ دونوں انبیاء کرام اور مرسلین کے سوا سارے اگلے پچھلے ادھیڑ عمر والے جنتیوں کے سردار ہیں ان کو خبر نہ کرنا۔

حضرت شیرِ خدا سے اس حدیث کے راوی حضرت امام زین العابدین ہیں۔ یہی حدیث حضرات ابن عمر، ابن عباس، ابو سعید خدری اور جابر بن عبداللہ نے بھی روایت کی ہے۔

(۸) ارحم امتی بامتی ابو بکر (ترمذی۔ امام محمد)

میری امت میں میری امت پر سب سے زیادہ مہربان ابو بکر ہیں۔

(۹) قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مامن نبی الا ولہ

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ کوئی نبی ایسا نہیں ہے جس کے دو وزیر اہلِ

وزیران من اهل السماء ووزیران
من اهل الارض فاما وزیرای من اهل
السماء فجبریل ومیکائیل واما وزیر
ای من اهل الارض فابوبکر
وعمر ۔ (ترمذی)

(۱۰) ابوبکر فی الجنۃ ۔

(اصحاب سنن وغیرہ)

(۱۱) ان اهل الدرجات العلی
لیراهم من تحتهم کما ترون
النجم الطالع فی افق السماء وان
ابابکر وعمر منهم ۔ (ترمذی طبرانی)

(۱۲) ان رسول اللہ صلے اللہ علیه
وسلم کان یخرج علی اصحابه
من المهاجرین والانصار وهم
جلوس فیهم ابوبکر وعمر فلا
یرفع الیه احد منهم بصره الا
ابوبکر وعمر فانهما کان ینظران
الیه وینظر الیهما ویتبسمان الیه
ویتبسم الیهما ۔ (ترمذی)

آسمان میں سے اور دو زیر زمین
والوں میں سے نہ ہوں ۔ میرے دو وزیر
آسمان والوں میں سے جبرائیل اور میکائیل
ہیں اور اہل زمین سے ابوبکر
اور عمر ۔

ابوبکر جنتی ہیں ۔

بلند مرتبہ (جنتیوں) کو نیچے درجے والے
اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم کنارۂ
آسمان پر روشن ستارے کو دیکھتے ہو،
ابوبکر اور عمر ان ہی میں ہیں ۔

حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام
مہاجرین اور انصار کے مجمع میں تشریف لائے تھے
جن میں حضرت ابوبکر اور عمر بھی ہوتے تھے ۔ اہل
جلسہ میں سے کوئی آپکی جانب نگاہ نہ اٹھاتے
تھے سوائے حضرت ابوبکر کے اور حضرت عمر کے یہ
دونوں حضرات آپ کی جانب دیکھتے تھے آپ انکی طرف
اور یہ دونوں آپ کی جانب دیکھکر مسکراتے تھے
آپ انکی طرف دیکھ کر تبسم فرماتے ۔

(۱۳) ان رسول اللہ صلی اللہ علیه
وسلم خرج ذات یوم فدخل
المسجد وابوبکر وعمر احدهما
عن یمینه والآخر عن شماله
وهو آخذ بایدیهما وقال هکذا
نبعث یوم القیامۃ ۔

(ترمذی ۔ حاکم ۔ طبرانی)

(۱۴) قال رسول اللہ صلی اللہ علیه
وسلم انا اول من تنشق الارض
عنه ثم ابوبکر ثم عمر ۔

(ترمذی ۔ حاکم)

(۱۵) ان النبی صلے اللہ علیه وسلم
رای ابابکر وعمر فقال هذان
السمع والبصر ۔

(ترمذی ۔ حاکم ۔ طبرانی)

(۱۶) قال رسول اللہ صلی اللہ علیه
وسلم انت صاحبی علی الحوض و
انت صاحبی فی الغار ۔

(ترمذی)

ایک روز حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم دولت خانہ
سے مسجد میں اس شان سے تشریف لائے کہ حضرت ابوبکر اور
حضرت عمر آپ کے دائیں بائیں تھے اور آپ انکے ہاتھ
پکڑے ہوئے تھے اور فرمایا ہم اسی طرح قیامت کے
دن اٹھیں گے (دیکھو کہ اسی کا انتظام کہ
دونوں صحابی روضۂ اقدس میں پہلوئے مبارک
میں دفن ہیں)

حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ (قیامت کے دن) سب سے اوّل میرے
اوپر سے زمین کشادہ ہوگی، پھر ابوبکر کے پھر
عمر کے ۔

حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے
حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو دیکھ کر فرمایا
کہ یہ دونوں سمع اور بصر ہیں ۔

حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے
(حضرت ابوبکر سے) فرمایا تم میرے
رفیق (حوض کوثر پر) ہو اور میرے
رفیق غار ہیں ۔

(۱۷) قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان من امن الناس علی فی صحبتہ و مالہ ابابکر ولو کنت متخذا خلیلاً لا تخذت ابابکر خلیلاً ولکن اخوۃ الاسلام۔ (بخاری و مسلم)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے اوپر صحت اور مال میں سب سے زیادہ احسان ابو بکر کا ہے اور اگر میں کسی کو اپنا خلیل (دلی دوست) بناتا تو ابو بکر کو بناتا لیکن اخوۃ اسلام ہے۔

یہ حدیث تیرہ صحابیوں نے روایت کی ہے اور امام سیوطی نے اس کو متواتر حدیثوں میں نقل کیا ہے۔

(۱۸) قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مالاحد عندنا یدًا الا وقد کافاناہ الا ابابکر فان لہ عندنا یدًا یکافیہ اللہ بہا یوم القیامۃ وما نفعنی مال احد قط ما نفعنی مال ابی ابکر۔ (ترمذی)

حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم پر کسی کا احسان نہیں جسکا بدلہ ہم نے نہ دیدیا ہو مگر ابو بکر کہ جو احسان ہمارے ذمہ ہے اسکا بدلہ اللہ تعالے قیامت کے دن دیگا اور کبھی کسی کے مال نے وہ نفع مجھ کو نہیں دیا جو ابو بکر کے مال نے دیا۔

حضرت ابو بکر اس ارشاد مبارک کو سُن کر روئے اور کہا یا رسول اللہ! کیا میرا مال آپ کا مال نہیں ہے۔

(۱۹) قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لحسان بن ثابت ھل قلت فی ابی بکر شیئًا قال نعم فقال قل وانا اسمع فقال:-

حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے (ایکدن) حضرت حسان بن ثابت سے فرمایا کہ تم نے ابو بکر کی شان میں کچھ کہا ہے جو اب دیا کہا ہے۔ فرمایا مجھ کو پڑھ کر سناؤ۔ انہوں نے یہ شعر پڑھے:

اشعار

(۱) وثانی اثنین فی الغار المنیف وقد طاف العدو بہ اذا صعدا الجبلا

اور بلند غار میں وہ دو میں کے ایک تھے جب دشمن پہاڑ پر چڑھ کر گھوم رہے تھے۔

(۲) وکان حب رسول اللہ قد علموا من البریۃ لم یعدل بہ احدا

وہ رسول اللہ کے محبوب ہیں اور لوگوں کو تحقیق کیساتھ اسکا علم ہے کہ مخلوق میں آپکے نزدیک انکے برابر کوئی نہیں ہے۔

فضحک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حتی بدت نواجذہ ثم قال صدقت یا حسان ھو کما قلت (ابو سعید حاکم)

یہ سُنکر حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم اسقدر ہنسے کہ دندان مبارک نمایاں ہو گئے اور فرمایا اے حسان! تم نے سچ کہا وہ ایسے ہی ہیں جیسا کہ تم نے کہا۔

(۲۰) عن ابی الروی الدوسی کنت عند رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فاقبل ابو بکر و عمر فقال الحمد للہ الذی ایدنی بکما۔ (بزاز۔ حاکم)

حضرت ابی اروی سے روایت ہے کہ میں حضرت سرور عالم کی خدمت میں حاضر تھا کہ حضرت ابو بکر اور عمر آئے ان کو دیکھ کر آپ نے فرمایا اس خدا کا شکر ہے جس نے تم دونوں کے ذریعہ سے میری تائید کی۔

(۲۱) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر صاحبی فی الغار و مونسی فی الغار سدوا کل خوخۃ فی المسجد غیر خوخۃ ابی ابکر۔ (عبد اللہ بن احمد)

حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابو بکر غار میں میرے رفیق تھے اور غار میں میرے مونس مسجد میں جسقدر کھڑکیاں ہیں سب بند کر دو مگر ابو بکر کی کھڑکی۔

جب مسجد نبوی تعمیر ہوئی تھی اس کے گرد مکانات تعمیر ہوئے تھے۔ صحابہ کرام کے مکانوں کی کھڑکیاں مسجد کی جانب تھیں۔ رحلت کے قریب ارشاد ہوا کہ سب کھڑکیاں

بند کر دی جائیں ابو بکر کی کھڑکی مستثنیٰ رہے (جزو ثانی اس حدیث کا مسلم و ترمذی نے بھی روایت کیا ہے)

(۲۲) اللھم اجعل ابابکر فی درجتی فی الجنۃ یوم القیامۃ ۔ (حاکم) — ارشاد فرمایا الٰہی! ابو بکر کو قیامت کے دن جنت میں میرے ہی درجہ میں جگہ دینا۔

(۲۳) یا ابابکر انت عتیق اللہ من النار ۔ (حاکم ۔ ابن عساکر) — ارشاد مبارک ہے اے ابو بکر تم کو اللہ نے دوزخ سے آزاد کر دیا ہے۔

(۲۴) یا ابابکر اعطاک اللہ الرضوان الاکبر قال وما رضوانہ الاکبر قال ان اللہ یتجلی للخلق عامۃ ویتجلی لک خاصۃ ۔ (حاکم) — ارشاد مبارک ہے اے ابو بکر بارگاہ الٰہی سے تم کو سب سے بڑی خوشنودی عطا ہوئی، دریافت کیا سب سے بڑی خوشنودی کیا ہے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کے لیے تجلی عام فرمائیگا۔ اور تمہارے لیے تجلی خاص۔

(۲۵) ابی اللہ والمومنون ان یختلف علیک یا ابابکر ۔ (امام احمد ۔ ابو نعیم) — اے ابو بکر اللہ تعالیٰ اور مومنین کو اس سے سخت انکار ہے کہ تمہارے متعلق اختلاف ہو۔

(۲۶) ان لم تجدینی فاتی ابابکر ۔ (تاریخ بخاری) — اگر تو مجھ کو نہ پاوے تو ابو بکر کے پاس آنا۔

ایک صحابی بی بی نے مدینہ میں آکر مسئلہ دریافت کیا جب رخصت ہونے لگیں تو عرض کی کہ یا رسول اللہ اگر آئندہ میں آؤں اور آپ نہ ملیں تو مسئلہ

کس سے دریافت کروں؟ اس کے جواب میں آپ نے ارشاد مذکورہ فرمایا۔

(۲۷) مروا ابابکر فلیصل بالناس — ابو بکر کو حکم دو کہ نماز پڑھائیں۔ (بخاری ۔ مسلم ۔ ترمذی ۔ ابن ماجہ)

جب مرض وفات میں آپ مسجد میں تشریف لے جاکر امامت نہ فرما سکے تو ارشاد بالا صادر ہوا۔

(۲۸) نعم وارجو ان تکون منہم — ہاں اور میں امید کرتا ہوں کہ تم ان میں سے ہو گے۔ (امام احمد ۔ بخاری ۔ مسلم)

ایک بار حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم جنت کے دروازوں اور ان میں ہو کر داخل ہونے والوں کا ذکر فرما رہے تھے۔ حضرت صدیق اکبر نے پوچھا کہ یا رسول اللہ کوئی ایسا بھی ہوگا جو سب دروازوں سے داخل ہو۔ اسکے جواب میں حدیث مذکورہ بالا ارشاد ہوئی۔

(۲۹) ما اوحی الی شیٔ الا صببتہ فی صدر ابی بکر ۔ (ریاض) — جو وحی مجھ پر نازل فرمائی گئی ہے میں نے اس کو نچوڑ کر ابو بکر کے سینے میں نچوڑ دیا۔

صوفیائے کرام نے اس حدیث کو بہ کثرت روایت فرمایا ہے۔

(۳۰) ما فضلکم ابو بکر بفضل صوم ولا صلوۃ ولکن بشیٔ وقر بصدرہ ۔ (ریاض) — ابو بکر کو تم پر نماز یا روزے کی وجہ سے فضیلت حاصل نہیں ہے، بلکہ ایک باوقار چیز کی وجہ سے ہے جو ان کے سینہ میں ہے۔

اقوالِ صحابۂ کرام و اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم اجمعین

(۱) قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ لابی بکر یا خیر الناس بعد رسول اللہ ۔ (ترمذی)

حضرت عمر نے حضرت ابو بکر سے کہا ۔ اے سب آدمیوں سے بہتر رسول اللہ کے بعد ۔

(۲) قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ابو بکر سیدنا ۔ (بخاری)

فاروق اعظم کا یہ بھی قول ہے کہ ابو بکر ہمارے سردار ہیں ۔

(۳) قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ لو وزن ایمان ابی بکر بایمان اہل الارض لرجح بہم ۔ (بیہقی)

حضرت عمر کا یہ بھی قول ہے کہ اگر ابو بکر کا ایمان سارے زمین کے اہل ایمان سے تولا جائے تو انہیں کا پلّہ بھاری رہے گا ۔

(۱) قال علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ خیر ھذہ الامۃ بعد نبیھا ابو بکر و عمر (امام احمد وغیرہ)

حضرت علی ابن ابی طالب نے فرمایا کہ اس امت میں اس کے نبی کے بعد ابو بکر اور عمر سب سے بہتر ہیں ۔

امام سیوطی کا قول ہے کہ امام ذہبی نے اس حدیث کو متواتر لکھا ہے ۔ شاہ ولی اللہ صاحب کا قول ہے کہ اسّی (۸۰) بزرگوں نے اس حدیث کو حضرت شیرِ خدا سے روایت کیا ہے ۔

(۲) قال علی رضی اللہ عنہ والذی نفسی بیدہٖ ما استبقنا الی خیر قط الا سبقنا ابو بکر ۔ (طبرانی اوسط)

حضرت علی نے فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ہم کسی نیکی کی طرف نہیں جھپٹے مگر یہ کہ ابو بکر اس میں ہم سے سبقت لے گئے ۔

حضرت عمرؓ سے بھی یہی قول مروی ہے ۔

(۳) قال علی رضی اللہ عنہ خیر الناس بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ابو بکر و عمر لا یجتمع حبی و بغض ابی بکر و عمر فی قلب مومن ۔ (طبرانی)

حضرت شیرِ خدا کا قول ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ابو بکر اور عمر سب آدمیوں سے بہتر ہیں میری محبت اور ابو بکر اور عمر کا بغض کسی مومن کے دل میں جمع نہیں ہو سکتا ۔

(۴) قال علی رضی اللہ عنہ فھو اشجع الناس ۔ (البزار)

حضرت علی کا قول ہے کہ وہ سب سے زیادہ شجاع ہیں ۔

پوری حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ ایک بار حضرت علی نے اپنے ہم نشینوں سے دریافت کیا کہ "بتاؤ سب میں زیادہ بہادر کون ہے ؟" سب نے کہا "آپ" فرمایا میں تو جس سے لڑا میں نے اُس سے حق کا بدلہ لے لیا. سب سے زیادہ شجاع آدمی کا نام لو" عرض کی "ہم کو نہیں معلوم" فرمایا "ابو بکر، غزوۂ بدر کے معرکہ میں ہم نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے واسطے ایک سایہ دار نشستگاہ بنادی تھی اس کے بعد پوچھا گیا کہ کون شخص یہاں پاسبانی پر رہے گا جو کفار کو آپ کے پاس نہ آنے دے ، یہ سُن کر واللہ کوئی شخص آپ کے قریب نہ آیا مگر ابو بکر ۔ وہ تلوار کھینچ کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قریب ہو گئے ، جب کوئی مشرک آپ کے قریب آتا تو وہ شمشیر بکف اس پر حملہ کرتے ۔ لہٰذا وہ سب سے زیادہ شجاع ہیں "

(۵) عن ابی یحیٰی قال لا احصی کم سمعت علیا یقول علی المنبر ان اللہ

ابو یحیٰی سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں شمار نہیں کر سکتا کہ میں نے کتنی مرتبہ حضرت علی

عزوجل سمی ابا بکر علی لسان نبیہ صلے اللہ علیہ وسلم صدیقا۔

(دار القطنی فی الافراد۔ اصابہ)

کو منبر پر کہتے ہوئے سُنا کہ "اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانی ابوبکر کا نام صدیق رکھا ہے۔"

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جب حضرت ابوبکر کی وفات کی خبر سُنی تو انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر ان کے مکان پر یہ فرماتے ہوئے تشریف لائے۔

(۶) الیوم انقطعت خلافۃ النبوۃ۔ آج خلافتِ نبوت کا خاتمہ ہو گیا۔

جس مکان میں حضرت ابوبکر کی لاش تھی اسکے دروازہ پر کھڑے ہو کر ذیل کا بلیغ خطبہ دیا جو فی الحقیقت صدیق اکبر کے اوصاف باطنی اور ظاہری اور انکے مراتب و فضائل کا پورا تبصرہ ہے۔ اس خطبہ سے اندازہ ہو گا کہ حضرت شیر خدا کے دل میں حضرت ابوبکر کی عظمت کس قدر تھی۔

خطبہ

یرحمک اللہ یا ابا بکر۔ کنت الف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم و انسہ ومستراحہ وثقتہ وموضع سرہ ومشاورہ کنت اول القوم اسلاما واخلصھم ایمانا واشدھم یقینا واخوفھم للہ واعظمھم غناءً فی دین اللہ واحوطھم علی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم واحدبھم

اے ابوبکر تم پر خدا کی رحمت! تم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے محبوب مونس، سرور، معتمد، راز دار اور مشیر تھے، تم مسلمانوں میں سب سے پہلے ایمان لائے تمہارا ایمان سب سے زیادہ خالص اور تمہارا یقین سب سے زیادہ استوار تھا، تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے اور سب سے بڑھکر دین کو نفع رساں تھے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سب سے زیادہ حاضر باش۔ اسلام پر سب سے زیادہ شفیق۔ اصحاب رسول اللہ

علی الاسلام وایمنھم علی اصحابہ و احسنھم صحبۃ واکثرھم مناقبا وافضلھم سوابق وارفعھم درجۃ واقربھم وسیلۃ واشبھم برسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ھدیا وسمتا ودالۃ وفضلا واشرفھم منزلۃ واکرمھم علیہ واوثقھم عندہ فجزاک اللہ عن الاسلام وعن رسولہ خیرا کنت عندہ بمنزلۃ السمع والبصر صدقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حین کذبہ الناس فسماک اللہ عزوجل فی تنزیلہ صدیقا فقال والذی جاء بالصدق وصدق بہ الذی جاء بالصدق محمد والذی صدق بہ ابوبکر واسیتہ حین بخلوا وقمت بہ عند المکارہ حین عنہ قعدوا وصحبتہ فی الشدۃ اکرم الصحبۃ ثانی اثنین وصاحبہ فی الغار والمنزل علیہ السکینۃ ورفیقہ فی الھجرۃ وخلیفتہ فی دین اللہ و امتہ احسن الخلافۃ حین ارتد الناس

کے لیے سب سے زیادہ بابرکت، رفاقت میں سب سے بہتر سب سے زیادہ صاحب مناقب، فضائل کی دوڑ میں سب سے آگے، درجہ میں سب سے بلند سب سے قریب وسیلہ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہ سیرۃ میں، ہیئت میں، مہربانی میں اور فضل میں۔ قدر و منزلت میں سب سے بلند اور آپکے نزدیک سب سے بڑھ کر معتمد اللہ تعالیٰ تمکو اسلام کی جانب سے جزائے خیر دے اور اپنے رسول کی جانب سے۔ تم آپکے نزدیک بمنزلہ سمع وبصر تھے، تم نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اُس وقت سچا مانا جب سب نے آپکو جھوٹا کہا، اسی لیے اللہ عزوجل نے اپنی وحی میں تمہارا نام صدیق رکھا۔ چنانچہ فرمایا اور وہ جو سچ کو لایا اور جس نے اسکی تصدیق کی۔ لانیوالے محمد، تصدیق کرنیوالے ابوبکر۔ تم نے آپکے ساتھ اسوقت غمخواری کی جب اور دوسروں نے تنگدلی کی، جب لوگ مصائب کیوقت مدد سے بیٹھ رہے تھے تم آپ کی مدد پر قائم رہے۔ سختی میں تم نے آپ کی بہترین رفاقت کی تم دو میں کے ایک تھے اور غار میں رفیق اور وہ شخص جس پر اللہ تعالیٰ نے سکینہ (تسکین قلب) نازل فرمائی اور

وقمت بالامر مالم يقم به
خليفة نبي. فنهضت حين وهن
اصحابك وبرزت حين استكانوا
وقويت حين ضعفوا ولزمت منهاج
رسول الله صلى الله عليه وسلم
اذهوا كنت خليفة حقا لم تنازع
ولم تصدع. برغم المنافقين وكبت
الكافرين وكره الحاسدين وغيظ الباغين
وقمت بالامر حين فشلوا وثبت
اذ تتعتعوا ومضيت بنور الله
اذ وقفوا فاتبعوك فهدوا وكنت
اخفضهم صوتا واعلاهم فوقا
واقلهم كلاما واصوبهم منطقا
واطولهم صمتا وابلغهم قولا
واشجعهم نفسا واعرفهم
بالامور واشرفهم عملا كنت
والله للدين يعسوبا اولا حين
نفس عليه الناس وآخرا حين
اقبلوا كنت للمؤمنين ابا رحيما

آپکے ساتھی ہجرت میں تھے اور آپکے خلیفہ دین الٰہی
میں اور امت میں۔ جب لوگ مرتد ہو گئے تو تم نے
خلافت کی اور امر الٰہی کی تم نے وہ حفاظت کی جو کسی
نبی کے خلیفہ نے نہ کی جب تمہارے ساتھی سستی کرنے
لگے تو تم اٹھ کھڑے ہوئے اور جب وہ دب گئے تو
تم دلیر ہو گئے اور جب وہ کمزور ہو گئے تو تم قوی رہے
تم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے اسوقت
چلتے رہے جب لوگ مضطرب ہو گئے اگرچہ اس سے
منافقین کو غصہ کفار کو رنج حاسدوں کو کراہت اور
باغیوں کو غیظ و غضب تھا تاہم تم بلانزاع و تفرقہ
خلیفہ برحق تھے تم دین الٰہی پر قائم رہے جب لوگ
بزدل ہو گئے اور گھبرا اٹھے تو تم ثابت قدم رہے اور
جب وہ رک گئے تو تم نور الٰہی کی روشنی میں رواں رہے
پھر انہوں نے بھی تمہاری پیروی کی اور منزل پر پہنچ
گئے۔ تمہاری آواز سب سے پست تمہارا تفوق سب سے اعلیٰ
تمہارا کلام سب سے زیادہ باوقار تمہاری گفتگو سب سے زیادہ
باصواب۔ تمہاری خاموشی سب سے زیادہ طویل۔ تمہارا
قول سب سے زیادہ بلیغ تھا تمہاری ذات سب سے زیادہ
شجاع اور معاملات سے سب سے زیادہ واقف اور عمل

حتى صاروا عليك عيالا فحملت
اثقال ما ضعفوا ورغبت ما اهملوا
وحفظت ما اضاعوا وعلمت
ما جهلوا وشهرت اذ اخضعوا
وصبرت اذ جزعوا فادركت
اوتار ما طلبوا وراجعوا برشدهم
برايك فظفروا ونالوا بك ما لم
يحتسبوا كنت على الكافرين
عذابا صبا ولهبا وللمؤمنين
رحمة وانسا وحصنا فطرت والله
بغنائها وفزت بحبائها و
ذهبت بفضائلها وادركت
سوابقها لم تفلل حجتك ولم
تضعف بصيرتك ولم تجبن
نفسك ولم يزغ قلبك ولم
تخر كنت كالجبل الذي لا
تحركه القواصف ولا تزيله
العواصف وكنت كما قال
رسول الله صلى الله عليه وسلم

میں سب سے زیادہ بزرگ تھی۔ واللہ تم اہل دین کے
سردار تھے جب لوگ دین سے ہٹے تو تم آگے بڑھے
اور جب وہ دین پر جھکے تو تم انکے پیچھے پیچھے تھے تم
اہل ایمان کے مہربان باپ تھے اس مہر پدری سے وہ
تمہاری اولاد بن گئے جن بھاری بوجھوں کو وہ نہ اٹھا
سکے اُن کو تم نے اٹھایا جو ان سے فروگذاشت
ہوئی اسکی تم نے نگہداشت کی جو چیز انہوں نے کھو
دی اسکی تم نے حفاظت کی جو انہوں نے نہ جانا وہ
تم نے سکھایا تم نے جانبازی کی جب وہ عاجز ہو گئے
تم ثابت قدم رہے جب وہ گھبرا گئے۔ تم نے داد
خواہوں کی داد رسی کی۔ وہ اپنی رہنمائی کے لیے
تمہاری رائے کی جانب رجوع ہوئے اور کامیاب
ہوئے تمہارے ذریعہ سے انکو وہ ملا جسکا انکو
گمان نہ تھا تم کافروں کے لیے بارشِ عذاب اور
آتشِ سوزاں تھے اور مومنوں کیلئے رحمت انس و پناہ۔
تم نے اوصاف کی فضا میں پرواز کی انکا خلعت پالیا
انکے محاسن لے لیے اور فضائل کی بازی جیت لی۔
تمہاری دلیل کو شکست نہ تھی تمہاری بصیرت کمزور
نہ ہوئی اور تم نے بزدلی نہیں کی۔ تمہارا دل نہ کج ہوا

امن الناس علینا فی صحبتک
وذات یدک وکنت کما قال
ضعیفا فی بدنک قویا فی
امر اللہ متواضعا فی نفسک
عظیما عند اللہ جلیلا فی عین
الناس کبیرا فی انفسہم لم
یکن لاحد فیک مغتر
ولا لقائل فیک مہمز
ولا لاحد فیک مطمع ولا
لمخلوق عندک ہوادۃ الضعیف
الذل عندک قوی عزیز حتی
تاخذ بحقہ والقوی عندک
ضعیف ذلیل حتی تاخذ
من الحق القریب والبعید
عندک فی ذالک سواء اقرب
الناس الیک اطوعہم اللہ
واتقاہم لہ شانک الحق
والصدق والرفق قولک
حکم حتم وامرک حلم وحزم

اور نہ پھرا۔ تم اس پہاڑ کی مثل تھے جسکو نہ شدائد
ہلا سکتے ہیں اور نہ ہوا کے طوفان ہٹا سکتے
ہیں۔ تم بقول آنحضرتؐ رفاقت اور مال میں سب سے
زیادہ منت افزا تھے اور بقول آپکے بدن کے
ضعیف تھے حکم الٰہی میں قوی۔ خود اپنے ذہن میں
ناچیز اللہ تعالٰے کے نزدیک گرامی قدر۔ انسانوں
کی نگاہوں میں باجلال اور دلوں میں باوقعت تھے
تمہاری نسبت کسی کو آنکھ مارنے کی مجال نہ تھی اور نہ
کوئی طعن کا موقعہ پا سکتا تھا کسی لیے تم محل طمع نہ تھے
اور نہ مخلوق میں کسی کی رعایت بیجا کرتے تھے عاجز
اور ذلیل تمہارے نزدیک قوی اور معزز تھا کہ تم اُسکا
حق لیکر ملتے تھے اور زبردست تمہارے سامنے
کمزور اور ناچیز تھا کہ تم اس سے حق لیکر رہتے
تھے اس معاملہ میں قریب و بعید سب تمہاری نظر میں
برابر تھے تمہارا سب سے زیادہ قریب اللہ کا فرمانبردار اور
سب سے زیادہ پرہیزگار تھا۔ تمہاری شان حق راستی
اور نرمی تھی۔ تمہارا قول حکم اور قطعی تھا۔ تمہارے
حکم میں حلم تھا اور حزم، رائے میں دانائی تھی اور
عزم تھا ان اوصاف و فضائل کی قوت سے تم

ورایک علم وعزم فاقلعت
وقد نہج السبیل وسہل العسیر
واطفیت النیران واعتدل
بک الدین وقوی بک
الایمان وثبت الاسلام والمسلمون
وظہر امر اللہ ولو کرہ الکافرون
فسبقت واللہ سبقا بعیدا واتعبت
من بعدک اتعابا شدیدا
وفزت بخیر فوزا مبینا
فجللت عن البکاء وعظمت
رزیتک فی السماء وہدت
مصیبتک فی الانام فانا للہ
وانا الیہ راجعون ورضینا عن
اللہ قضاءہ وسلمنا لہ امرہ
فواللہ لن یصاب المسلمون بعد
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
بمثلک ابدا کنت للدین عزا و
حرزا وکہفا وللمومنین فئۃ
وحصنا وغیظا علی المنافقین

باطل کو اکھیڑ کر پھینک دیا اسکے بعد راستہ صاف تھا۔
مشکل آسان تھی اور (فتنہ و فساد) کی آگ سرد دین
تمہاری مدد سے اعتدال پر آگیا۔ ایمان تمہاری وجہ سے قوی ہو
گیا اور اسلام اور مسلمان مضبوط ہو گئے اور فرمان الٰہی
غالب آگیا اگرچہ کفار کو یہ سخت ناگوار تھا اس حسن
خدمت میں واللہ تم بہت آگے نکل گئے اور اپنے
جانشین کو سخت دشواری میں ڈالدیا اور علانیہ خیر کے
مراتب پالئے تمہاری شان آہ و بکا سے ارفع ہے اور
تمہارا ماتم آسمان پر عظیم ہے اور تمہاری مصیبت نے
لوگوں کی کمر توڑ دی۔ تمہاری مصیبت پر ہم
انا للہ وانا علیہ راجعون کہتے ہیں، قضائے
الٰہی پر رضامند ہیں اور اس کے حکم کو تسلیم کرتے
ہیں۔ واللہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
کی وفات کے بعد تمہاری وفات سے
بڑھ کر مسلمانوں پر کبھی کوئی مصیبت نہیں
پڑے گی۔ تم دین کی عزت، حفاظت اور
پناہ تھے۔ مسلمانوں کی جمعیت قلعہ اور
جائے پناہ اور منافقین کے حق میں سختی اور
غصہ، اس کی جزا میں اللہ تعالے تم کو

غلظة وغيظا فالحقك الله بنبيك صلى الله عليه وسلم ولا حرمنا اجرك ولا اضلنا بعدك فانا لله وانا اليه راجعون -

تمہارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے ملادے۔ اور ہم کو تمہارے اجر سے محروم اور تمہارے بعد گمراہ نہ فرمایئے۔ ہم پھر انا للہ و انا الیہ راجعون کہتے ہیں۔

راوی کا بیان ہے کہ جب تک حضرت علی خطبہ دیتے رہے سب آدمی خاموش رہے جب خطبہ ختم ہوا اسقدر روئے کہ آواز بلند ہوگئی اور بالاتفاق کہا کہ اے رسول اللہ کے خویش آپ نے سچ فرمایا (الریاض النضرہ)

قال عبد الله بن جعفر رضی الله عنهما ولينا ابو بكر فكان خير خليقة الله وارحمه وارضاه علينا - (الحاكم)

حضرت عبداللہ ابن جعفر طیار نے فرمایا کہ ابوبکر ہم پر والی ہوئے تو اس شان سے کہ مخلوق الٰہی میں سب سے بہتر تھے اور ہم پر سب سے زیادہ مہربان اور سب سے زیادہ ہم سے خوش۔

قال ابو مريم كنت بالكوفة فقام الحسن بن علي خطيبا فقال ايها الناس رايت البارحة في منامي عجبا رايت الرب تعالى فوق عرشه فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى قام عند قائمة من قوائم العرش فجاء ابو بكر فوضع يده على منكب رسول الله صلى الله عليه وسلم

ابومریم کا بیان ہے کہ میں کوفہ میں تھا، امام حسن بن علی نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا کہ اے لوگو رات میں نے ایک عجیب خواب دیکھا میں نے رب کریم کو عرش پر دیکھا اسی عرصہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور عرش کے ایک پایہ کے پاس قیام فرمایا پھر ابوبکر آئے اور دوش مبارک پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہوگئے پھر عمر آئے اور ابوبکر کے کندھے پر ہاتھ رکھکر کھڑے ہوگئے پھر عثمان آئے انکے ہاتھ

ثم جاء عمر ووضع يده على منكب ابي بكر ثم جاء عثمان فكان بيده راسه فقال رب سل عبادك فيم قتلوني فانبعث من السماء ميزابان من دم في الارض قال فقيل لعلي الا ترى ما يحدث به الحسن قال يحدث بما رأى - (ابو يعلى)

میں ان کا سر تھا، عرض کی۔ الٰہی! اپنے بندوں سے پوچھ کہ انہوں نے مجھ کو کس قصور میں قتل کیا؟ اس کہنے پر آسمان سے دو خون کے پرنالے زمین پر بہنے لگے۔ یہ خطبہ سن کر لوگوں نے حضرت علی سے کہا کہ "آپ دیکھتے ہیں حسن کیا کہتے ہیں؟" فرمایا "جو دیکھا وہ کہتے ہیں۔"

قال ابو جعفر ما رأيت من اهل بيتي الا وهو يتولاهما۔ (امام محمد)

حضرت امام باقر کا قول ہے کہ میں نے کسی کو اپنے اہل بیت میں سے نہیں دیکھا جو ان دونوں (حضرت ابوبکر اور عمر) سے محبت نہیں رکھتا تھا۔

عن ابي حفصة قال سالت محمد بن علي وجعفر بن محمد عن ابي بكر وعمر فقال اماما عدل نتولاهما ونتبرء من عدوهما ثم التفت الى جعفر بن محمد فقال يا سالم ايسب الرجل جده ابو بكر الصديق جدي لا تنالني شفاعة جدي محمد صلى الله عليه وسلم ان لم اكن اتولاهما

ابی حفصہ سے روایت ہے کہ میں نے محمد بن حنفیہ اور امام جعفر صادق سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی نسبت رائے طلب کی دونوں نے کہا کہ وہ دونوں امام عادل تھے ہم انکو دوست رکھتے ہیں اور انکے دشمن سے بیزار ہیں۔ پھر امام جعفر صادق نے میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا اے سالم کیا کوئی انسان اپنے جد کو گالی دے سکتا ہے، ابوبکر صدیق میرے جد ہیں مجھ کو میرے جد حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم

واتبرءُ من عدوهما ۔

(امام محمد)

وعن ابی جعفر من جهل فضل
ابی بکر وعمر جهل السنة ۔

(امام محمد)

وعنه قال بغض ابی بکر و
عمر نفاق و بغض الانصار نفاق
انه کان بین بنی هاشم
بنین بنی عدی و بنی تیم شحنا
فی الجاهلیة فلما اسلموا انزع الله
ما فی قلوبهم حتی ان ابابکر
اشتکی خاصرته فکان علی یسخن
یده بالنار ویکمد بها خاصرته
ابی بکر ونزلت فیهم ونزعنا
ما فی صدورهم من غل اخوانا
علی سرر متقابلین ۔

(امام محمد)

جاء رجل الی علی بن الحسین
فقال ما کان منزلة ابی بکر و

کی شفاعت نصیب نہ ہو اگر میں ان دونوں سے محبت نہ
رکھتا ہوں اور انکے دشمنوں سے بیزار نہ ہوں ۔

حضرت امام باقر سے روایت ہے کہ جو شخص حضرت
ابوبکر اور حضرت عمر کی فضیلت کو نہیں جانتا وہ
سنت کو نہیں جانتا ۔

حضرت امام باقر سے روایت ہے کہ ابوبکر اور عمر
سے بغض نفاق ہے اور انصار سے بغض نفاق ہے
بنی ہاشم ، بنی عدی (قبیلہ حضرت عمر) اور بنی تیم
(قبیلہ حضرت ابوبکر) میں زمانہ جاہلیت میں
عداوت تھی ، جب یہ قبیلے مسلمان ہوگئے تو انکے
دل میں جو کچھ (عداوت) تھی اللہ تعالیٰ نے نکال
لی ۔ اب نوبت یہ پہنچی کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر کے
پہلو میں درد ہوا تو حضرت علی اپنا ہاتھ آگ سے گرم
کرکے حضرت ابوبکر کا پہلو سینکتے تھے ۔ انہی بزرگوں
کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی (ترجمہ) انکے دلوں
میں جو کچھ عداوت تھی ہم نے کھینچ لی ، بھائی بنکر
آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوئے ۔

ایک شخص نے حضرت امام زین العابدین کی خدمت
میں حاضر ہو کر استفسار کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ

عمر من رسول الله صلے الله
علیه وسلم قال کمنزلتهما
منه الساعة ۔

(امام محمد)

قال الزبیر بن العوام انا
نری ابابکر احق الناس بها بعد
رسول الله صلے الله علیه وسلم
انه لصاحب الغار و ثانی
اثنین و انا لنعلم شرفه
وکبره ولقد امره رسول الله
صلے الله علیه وسلم بالصلوٰة
بالناس وهو حیٌّ ۔ (الحاکم)

علیہ وسلم کی جناب میں حضرت ابوبکر اور حضرت
عمر کا کیا مرتبہ تھا؟ فرمایا وہی مرتبہ تھا جو اس
وقت بھی ہے (یعنی روضۂ اقدس میں سب سے
زیادہ قرب حاصل ہے)

حضرت زبیر کا قول ہے کہ ہم سب سے زیادہ خلافت
کا مستحق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت
ابوبکر کو جانتے ہیں وہ بالتحقیق رفیق غار تھے اور
دو میں کے ایک تھے اور ہم کو انکا شرف اور انکی
بزرگی خوب اچھی طرح معلوم ہے اور رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم نے حیات مبارک
میں ان کو امامت کا حکم فرمایا تھا ۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایک یہ بھی فضیلت خاص ہے کہ ان کی چار
نسلیں صحابی تھیں ۔ وہ خود ان کے والد ابوقحافہ ، ان کے بیٹے حضرت عبدالرحمٰن
اور حضرت عبدالرحمٰن کے بیٹے حضرت ابوعتیق محمد رضی اللہ عنہم اجمعین (الاستیعاب،
بہ سند امام بخاری ذکر محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر بن ابی قحافہ رضی اللہ
عنہم اجمعین) ۔

بابؔ چہارم

اوّلیاتِ صدیقی

(۱) مردوں میں سب سے اوّل اسلام قبول کیا (۲) سب سے اوّل قرآن شریف کا نام مصحف رکھا (۳) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے قرآن شریف کو جمع کیا۔ حضرت شیر خدا کا قول ہے کہ اللہ تعالےٰ ابو بکر پر رحم فرمائے کہ وہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے کتاب اللہ کو ترتیبِ مخصوص کے ساتھ جمع کیا جو تمام امت کے نزدیک مقبول ہے اور جس پر ساری امت کا اتفاق ہے (۴) سب سے پہلے وہ شخص ہیں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی جانب سے کفار سے لڑے اس لیے وہ دینِ الٰہی اور دعوتِ نبوّت کے سب سے پہلے مجاہد ہیں (۵) سب سے پہلے خلیفۂ راشد ہیں (۶) سب سے پہلے وہ خلیفہ ہیں جن کو باپ کی حیات میں خلافت ملی۔ (۷) سب سے پہلے انہوں نے خلافت کے لیے ولی عہد مقرر کیا (۸) سب سے

لہ اس باب کا ماخذ (باستثناء نمبر ۴، ۱۲، ۱۶ کے) کتاب محاضرۃ الاوائل مؤلفہ شیخ علاؤ الدین سکتواری ہے جو امام سیوطی کی کتاب محاضرۃ الاوائل سے ماخوذ ہے نمبر ۱۲ کا ماخذ صحیح بخاری مطبوعہ مطبع احمدی ۱۲۸۲ھ کا صفحہ ۵۵۳ ہے۔ نمبر ۱۶ کا ماخذ رسالہ مناقب الخلفاء مؤلفہ سید نور الحسن خان مرحوم بھوپالی ہے جو تاریخ الخلفاء سیوطی کا خلاصہ ہے۔

پہلے بیت المال قائم کیا (۹) سب سے پہلے صدر اسلام میں اجتہاد کیا (۱۰) صحابہؓ کرام میں سب سے اول اجتہاد کیا۔ (۱۱) سب سے پہلے ان کا لقب خلیفہ ہوا۔ (۱۲) اسلام میں سب سے پہلے ان کا لقب عتیق ہوا (۱۳) امت محمدیہ میں سب سے پہلے داخل جنت ہوں گے (۱۴) سب سے پہلے اسلام میں مسجد انہوں نے بنائی (۱۵) سب سے پہلے یہ مقولہ انہوں نے فرمایا البلاء موکل بالمنطق (۱۶) اسلام میں سب سے پہلے اوّل لقب ان کو ملا یعنی عتیق۔

خاتمہ

حضرت ابوبکر کی زندگی کے معتبر اور مستند حالات و واقعات آپ نے پڑھے ان کی زندگی کے دو حصے ہیں۔ ایک قبل اسلام۔ دوسرا بعد اسلام۔

مسلمان ہونے سے پہلے بھی وہ رئیس قریش تھے اور دولت مند تاجر ریاست اور دولت کے ساتھ ساتھ حسن اخلاق ہمدردی وسعت معلومات دانش مندی اور معاملہ فہمی میں صاحب امتیاز تھے۔ ان ہی صفات کے اثر سے قوم میں محبوب اور معتمد تھے۔

گذشتہ واقعات سے واقف تھے۔ حال کے حالات کا سفر اور تجارت کے ذریعہ سے تجربہ حاصل تھا۔ ان کی صفات کی شہرت نواح مکہ تک محدود نہ تھی بلکہ ابن الدغنہ کا قول ثابت کرتا ہے کہ ان کی اخلاقی خوبیاں دُور دُور تک مسلم تھیں۔ شراب کبھی نہ پی۔ شعر پر پوری قدرت تھی۔ یہ اوصاف اور حالات بتاتے ہیں کہ حضرت ابوبکر زمانۂ جاہلیت میں بھی ایک سلیم الطبع غم خوار دانش مند

اور زندہ دل انسان تھے۔ جس انسان میں یہ صفات ہوں وہ بہترین ہمدم و رفیق بن سکتا ہے۔

آفتاب رسالت کے طلوع ہونے سے ایک سال پہلے سے حضرت سرور عالمؐ کی خدمت میں اُن کی آمد و رفت تھی جس طرح طلوع آفتاب سے قبل نور کا ظہور ہو جاتا ہے اسی طرح قرب وحی کے زمانہ میں انوار رسالت کا ظہور شروع ہو گیا تھا۔ خلوت گزینی و عبادت مزاج اقدس کو بہت زیادہ مرغوب ہو گئی تھی۔ رویاء صادقہ (سچے خواب) نظر آتے تھے۔ غرض بیداری و خواب دونوں حالتوں میں ظہور نور تھا۔ ظاہر ہے کہ اس زمانہ کی صحبت بھی بے اثر نہ رہ سکتی تھی۔ اس طرح حضرت صدیق اکبر نزول وحی سے پہلے قبول اسلام اور رفاقت و خلافت کی قابلیت و استعداد سے مشرف ہو چکے تھے۔ اسی کا اثر تھا کہ جب اسلام کی صدا کان میں آئی تو مانوس ہوئی۔ ادھر حضرت صادق امین صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تبلیغ اسلام ہوئی ادھر بے تامل حضرت صدیق اکبر نے آمنا کہا اور تصدیق کی اس قوت کے ساتھ کہا جو صدیقیت کی خلعت سے مشرف ہوئی۔

شرف اسلام کے بعد حضرت ابوبکر کی زندگی اطاعت و استقامت کا مرقع ہے اور ارشاد ربانی یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً (یعنی اے ایمان والو! اسلام میں پوری طرح داخل ہو جاؤ) کی تا بحد بشر تعمیل جسم و جان شان عقل و فراست اولاد، مال، جائداد آرام و آسائش غرض جو کچھ ان کی بساط میں تھا اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر قربان تھا۔ اسی لیے فاروق اعظم اور شیر خدا کی شہادت ہے ما استبقنا الی خیر قط الا سبقنا ابوبکر (ہم جس

نیکی کی طرف جھپٹے اس میں ابو بکر ہم سے آگے بڑھ گئے۔ اپنی وجاہت کے اثر سے سابقین اولین کے اعلیٰ افراد کو خدمتِ مبارک میں قبول اسلام کے واسطے لاکر پیش کیا۔ مال خدمتِ اسلام کے لیے وقف تھا۔ مالی سرمایہ آخر عمر تک تجارت کے ذریعہ سے بڑھایا اور اللہ اور اس کے رسول کی راہ میں صرف کیا۔ کمزور مسلمانوں کو خرید کر ظالم آقاؤں کے پنجے سے چھڑایا۔ مجاہدین کی خدمت میں بے دریغ روپیہ خرچ کیا۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر جو کچھ تھا سب لاکر حاضر کردیا۔ حضرت سرور عالمؐ اس کو دیکھ کر فرماتے ہیں: اے ابو بکر بال بچوں کے لیے کیا چھوڑا؟ جواب میں عرض کرتے ہیں: اللہ اور اُس کے رسول کو چھوڑا ہے۔ اللہ اکبر! کیسا پاکیزہ سرمایہ رکھا۔ صدیق اکبرؓ کی اُن دس اشرفیوں کی قیمت کا کون اندازہ کرسکتا ہے جو مسجدِ نبویؐ کی زمین کا زرِ ثمن تھیں۔ اُس پاک سرزمین کا ایک ٹکڑا روضۂ جنت ہے۔ یہ منبر شریف اور قبر مبارک کے درمیان میں ہے دوسرا عرش سے بھی افضل ہے جو جسمِ اطہر کو مس کر رہا ہے۔ جان و مال کی اصل طہارت یہ تھی کہ حضرت ابو بکر اپنے مال اور اپنے نفس کو اپنی ملکیت نہیں جانتے تھے بلکہ دونوں کو حضرت سرورِ عالمؐ کی ملکیت جانتے اور مانتے تھے۔ جب ارشاد مبارک ہوا ما نفعنی مال ابی بکر (کسی کے مال نے مجھ کو وہ نفع نہیں دیا جو ابو بکر کے مال نے دیا) تو یارِ غار نے رو کر عرض کی یا رسول اللہ کیا میں اور میرا مال آپ کے نہیں ہیں۔

اسی تسلیم و رضا کا اثر تھا کہ حضرت سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم ان کا مال مثل اپنے مال کے بے تکلف صرف فرماتے تھے۔ حضرت ابو بکر جب تک زندہ رہے خدمتِ دین کے واسطے کماتے رہے۔ جب زندگی کے ساتھ خدمت کا سلسلہ قطع ہوا تو

مال بھی ختم ہوا۔ وفات کے بعد نقد ایک حبہ پاس نہ تھا اور کفن کے لیے کوڑی نہیں چھوڑی۔ اولاد بھی اللہ اور اسکے رسول کی مرضی پر قربان تھی۔ جب خدیجۃ الکبریٰؓ کی وفات سے خاطرِ اقدس ملول تھی تو اپنی بیٹی حضرت عائشہ صدیقہؓ کو آپؐ کے عقد میں دیدیا۔ حضرت عبدالرحمٰن جب تک کافر رہے ان کو دشمنِ جانی کی طرح دیکھا۔ تعلق کجا! بدر میں جب اُن کو لشکرِ کفار میں دیکھا تو نہایت خشمگین ہو کر کہا این مالی یا خبیث (اے پلید میرے حقوق کیا ہوئے) دیکھو حقوق یہی تھے کہ لشکرِ اسلام کی صف میں لڑیں اور اسلام پر قربان ہوں۔ غزوۂ احد میں تلوار میان سے لیکر انکے مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے مگر دربارِ رسالت سے میدان میں جانے کی اجازت نہ ملی۔ جب انہوں نے مسلمان ہو کر ایک مرتبہ کہا کہ ابّا جان! غزوۂ بدر میں ایک موقع پر آپ میری زد پر آگئے تھے مگر میں نے بچا دیا۔ سُنکر فرمایا کہ بیٹا اگر تم میری زد پر آجاتے میں ہرگز نہ چھوڑتا۔ ایک دوسرے صاحبزادے حضرت عبداللہ غزوۂ طائف میں کام آئے اور خلعتِ شہادت سے سرخرو ہوئے۔ رضی اللہ عنہ۔ دو صاحبزادیوں نے باپ سے حدیث روایت کی یعنی حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ۔ فتح مکہ کے وقت اپنے نوّے سالہ بوڑھے اور نابینا باپ کو خدمت میں لاکر عرض کیا کہ شرفِ اسلام سے مشرف ہوں۔ آپؐ نے دیکھ کر فرمایا کہ ابو بکر! بڑے میاں کو کیوں تکلیف دی! میں خود اُن کے پاس چلتا۔ عرض کی کہ انہی کو حاضرِ خدمت ہونا چاہیئے تھا۔

ہجرت کے واقعات پر غور کرو، خونخوار دشمنوں کا نرغہ ہے، بارہ منزل دور مدینہ طیبہ ہے۔ مکہ مکرمہ میں اہل و عیال اور مال و جائداد کا کوئی ظاہری محافظ نہیں۔ گھر میں بال بچوں کے حلقے میں بیٹھے ہیں کہ اسی اثنا میں آنحضرتؐ تشریف لاکر ارشاد

فرماتے ہیں" ابوبکر ہجرت کا حکم آگیا" بے اختیار منہ سے نکلتا ہے" اور میری رفاقت کا؟" ارشاد ہوتا ہے" اس کی بھی اجازت ہے"۔ یہ مژدہ جان فزا سنکر جوشِ مسرت سے بیتاب ہو جاتے ہیں اور نہایت شوق سے سامانِ سفر کا اہتمام کرتے ہیں۔ بی بی، بچے مال اور مکان سب آنکھوں کے سامنے ہیں ان کی مصیبت اور تباہی بھی شاید ذہن میں آئی ہوگی لیکن ہمدمیٔ حبیب (روحی فداہ) کے ذوق کے مقابلہ میں کسی کی پرواہ نہیں۔ کوئی سیرت یا تاریخ اس کا پتہ ہی نہیں دیتی کہ مژدۂ ہجرت اور ہجرت کے درمیان جو وقت ملا اس میں انھوں نے اپنی اولاد یا جائداد کی آسائش و حفاظت کا کچھ بھی بندوبست کیا ہو۔ انتہا یہ کہ باپ کو بھی خبر نہ کی۔ جو نقد سرمایہ تھا وہ خدمت کے لیے ساتھ لے لیا اور خونخوار کفار کے نرغہ میں سب کچھ چھوڑ کر رکابِ سعادت میں باطمینانِ قلب روانہ ہو گئے۔ ان کی تسلیم و رضا کا پرتو اُن کے گھر والوں پر بھی اسقدر تھا کہ بجائے پریشان ہونے کے دُوسروں کی پریشانی رفع کرتے تھے۔ جب بوڑھے دادا مضطرب ہو کر آئے تو پوتی نے تدبیر سے اُنکی تسکین کر دی۔ حالانکہ اسی پوتی کو بیکسی میں ابوجہل کی شقاوت کا صدمہ پہنچا تھا۔ شرفِ اسلام کے بعد سے آنحضرتؐ کی رحلت تک پروانہ وار شمعِ رسالت (بابی وامی) پر قربان و نثار تھے۔ تمام جانفروشی کے موقعوں پر یعنی غزوات میں شمشیر بکف ہمرکاب رہے۔ بدر میں جو شانِ شجاعت دکھائی اس نے حضرت شیرِ خدا کی زبانِ مبارک سے "اشجع الناس" کا خطاب دلوایا۔ احد کے حوصلہ فرسا ہنگامے میں سب سے اول حضرت سرورِ عالمؐ کو بحالت مجروحی شہدار کی لاشوں میں دیکھ کر شناخت کیا تو تلوار میان سے نکال کر مقابلے کے لیے تیار ہو گئے اور اجازت طلب کی

فرمانِ رسالت ہوا شم سیفک وامتعنا بک (تلوار میان میں کر لو اور ہم کو اپنی ذات سے متمتع ہونے دو) یہ فرمان سُنا تو قصد ملتوی کر دیا لڑائی اور صلح سب میں آپ ہی کی خوشنودی مطلوب تھی۔ غزوۂ خندق میں ایک دستہ حضرت صدیق کے ماتحت تھا۔ دیکھو صداقت کی برکت۔ جس موقع پر یہ دستہ متعین تھا وہاں ایک مسجد بنی جو صدیوں تک قائم رہی۔ شاہ ولی صاحب نے لکھا ہے کہ ان کے زمانے تک موجود تھی یعنی بارہویں صدی ہجری تک۔ حدیبیہ کے معرکہ میں جو وقت معرکہ کا تھا اس میں حضرت فاروق اعظم تک بے تاب تھے مگر حضرت صدیق اکبر کی تسلیم و رضا کا یہ جلوہ تھا کہ اضطراب کجا جب حضرت عمر نے اُن سے جاکر ماجرا بیان کیا تو صرف کہا کہ رکابِ سعادت تھامے رہو۔ تبوک میں جائزۂ فوج امامت اور بڑا نشان یہ سب خدمات حضرت صدیق اکبر کے سپرد تھیں۔ اندازہ کر سکتے ہو کہ حضرت سرورِ عالمؐ کی رحلت کا وقت کیسا ہوشربا وقت تھا۔ دُنیا میں ایسے اشخاص کی وفات سے جو سرگروہ اور کارفرما ہوتے ہیں ایک تلاطم برپا ہو جاتا ہے، چہ جائیکہ اس ذاتِ پاک کی رحلت جو دونوں عالم کی مرکز تھی، جس پر صحابۂ کرام جان سے قربان تھے اور جس کے وجود کی برکت سے وحی کا سلسلہ قائم تھا۔ انوار قدس کی بارش اس عالم خاکدان پر ہو رہی تھی اور اس فیض و برکت کو اس قدسی گروہ کا ہر فرد محسوس کرتا تھا۔ چنانچہ اپنے خلافت کے دور میں جب حضرت صدیق اکبر فاروقِ اعظم کو ساتھ لے کر حضرت ام یمن کے پاس باتباعِ سُنتِ نبویؐ گئے تو وہ روئیں اور رونے کی وجہ یہ بتائی کہ آنحضرتؐ کی وفات سے سلسلۂ وحی منقطع ہو گیا۔ اس حادثہ کا یہ اثر تھا کہ صحابہ کرامؓ وقفِ حیرت تھے۔ مسجد میں صحابۂ کرام کا مجمع تھا اور حضرت عمرؓ اس مجمع میں یہ

تقریر فرما رہے تھے کہ منافق کہتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔ واللہ وفات نہیں پائی ہے بلکہ اپنے رب کے پاس موسیٰ کی طرح گئے ہیں جو چالیس روز غائب رہ کر واپس آگئے تھے حالانکہ ان کی نسبت بھی کہا جاتا تھا کہ وفات پا گئے۔ اسی طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مراجعت فرمائیں گے اور اُن لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے جو کہتے ہیں کہ آپ نے وفات پائی۔ اب حضرت ابوبکرؓ کی حالت پر نظر ڈالیے۔ جب ان کو اس سانحہ ہوشربا کی خبر پہنچی تو گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور سیدھے حجرۂ مبارک پر پہنچے۔ چہرۂ اقدس سے چادر اٹھائی۔ پیشانی کو بوسہ دیا اور رو کر کہا "آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ آپ کی حیات اور وفات دونوں پاک ہیں۔ جو موت خدا تعالےٰ نے آپ کے لیے مقدر فرمائی تھی اسکا ذائقہ آپ نے چکھ لیا۔ اب اس کے بعد آپ کبھی وفات نہ پائیں گے۔" اس کے بعد مسجد نبویؐ میں آئے تو حضرت عمر کو کلام بالا کہتے ہوئے سُنا۔ اُن سے کہا سنبھلو اور خاموش ہو جاؤ۔ وہ خاموش نہ ہوئے تو خود سلسلۂ کلام شروع کر کے حاضرین کو اپنی طرف مخاطب فرما لیا اور کہا:

اے لوگو! جو شخص محمدؐ کو پُوجتا تھا تو (وہ سمجھ لے کہ) محمدؐ نے وفات پائی اور جو کوئی اللہ کو پوجتا تھا تو (جان لے کہ) اللہ زندہ ہے کبھی نہیں مریگا۔ (اللہ تعالےٰ کا ارشاد) اور نہیں ہیں محمدؐ مگر ایک رسول ان سے پہلے رسول گزر چکے ہیں تو کیا وہ اگر مر جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم برگشتہ ہو جاؤ گے اور جو شخص برگشتہ ہو جائے گا تو وہ خدا کو کچھ نقصان نہیں پہنچائے گا اور اللہ شکر گزاروں کو عنقریب جزا دیگا۔ اس کلام کو سُنکر آنکھوں کے سامنے سے حیرت کا پردہ اُٹھ گیا اور حقیقتِ واقعہ

منکشف ہو گئی۔ حضرت عمر کو آنحضرتؐ کی وفات کا انکشاف ہوا تو فرطِ غم سے بیٹھ گئے۔ اہلِ معرفت نے اس خُطبہ کو توحید کا اعلیٰ مظہر مانا ہے۔ غور کرو اگر حضرت ابوبکرؓ کی قوتِ ایمانی اُس وقت اس حیرت کو رفع نہ کر دیتی تو مثل اور انبیاء کے آپؐ کی رحلت کا واقعہ چیستان بن کر رہ جاتا۔ دین و ملّت کا سارا شیرازہ درہم و برہم ہو جاتا۔ بنی ساعدہؓ کے سقیفے کا حال تم پڑھ چکے ہو، وہ چند گھنٹے ایسے خطرناک اور قیمتی تھے کہ ان کے فیصلے نے اُمت کو تباہی سے بچا لیا۔ خود حضرت عمر کا قول ہے کہ واقعۂ سقیفہ دفعتاً ہوا مگر اس نے مسلمانوں کو تباہی سے بچا لیا۔ یہ بھی دیکھو کہ اس جد و جہد سے صدیقِ اکبرؓ کا مقصد ذاتی رفعت نہ تھی بلکہ محض امت کی خدمت تھی۔ جب انتخاب اور بیعت کا وقت آیا تو حضرت عمر اور حضرت ابو عبیدہ کو پیش فرما دیا کہ ان میں سے جس سے چاہو بیعت کر لو دونوں خلافت کے اہل ہیں۔ خلیفہ ہونے کے بعد صاف کہدیا کہ نہ خلافت کی کبھی مجھ کو تمنا تھی نہ میں نے پوشیدہ اس کے لیے دعا کی۔

خلافت کا زمانہ قوتِ ایمانی کے اعلےٰ ظہور کا زمانہ ہے اس عہد کے واقعات یہ شہادت دے رہے ہیں کہ شانِ صدیقیت اور ایمانی قوت میں وہ مبارک ذات ممتاز تھی۔ واقعاتِ خلافت کہہ رہے ہیں کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا یہ قول بالکل صحیح تھا کہ حضرت صدیق اور حضرت فاروق کی قوتِ عالمہ و عاملہ انبیاء و رسل کے مشابہ تھی۔ خلافتِ صدیقی کا زمانہ قوتِ عمل کا کارنامہ تھا۔ ابتدائی خطبہ دیکھو اسمیں یہ الفاظ ہیں: جو تم میں کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے انشاء اللہ اس کا حق دلواؤں گا اور تم میں جو قوی ہے وہ میری نظر میں کمزور ہے اس سے انشاء اللہ حق لیکر چھوڑونگا۔ اس کے ساتھ وہ فقرہ ملائیے جو ہنگامۂ ردّت کے وقت فرمایا تھا انہ قد انقطع الوحی

وتم الدین اینقص وانا حیٌّ (ظاہر ہے کہ وحی کا سلسلہ قطع ہو گیا۔ دین کمال کو پہنچ گیا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ میری زندگی میں اس کی قطع وبرید کی جائے)۔

ان دونوں مقولوں سے واضح ہے کہ خلافت سے حضرت ابوبکرؓ کا مقصود حفاظت دین اور خدمتِ خلق تھی۔ عملاً یہ ثبوت ہے کہ ان دو خدمتوں کے سوا کوئی تیسرا کام انہوں نے خلافت میں نہیں کیا۔

آغازِ خلافت میں جھوٹے مدعیانِ نبوت کی وجہ سے عرب میں ارتداد خانہ جنگی و بغاوت کا طوفان ہر طرف بپا تھا۔ مورخ ابن اثیر کا قول ہے کہ تمام قبیلے مرتد ہو کر میدانِ جنگ میں سرگرم کارزار تھے۔ سرحد کی دو جانب قیصر وکسریٰ مسلمانوں کی تاک میں تھے۔

اس حالت کا نقشہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ان الفاظ میں کھینچا ہے "اس وقت مسلمان بکریوں کے اس گلہ سے مشابہ تھے جو جاڑوں کی سرد رات میں بحالتِ بارش میدان میں بے گلہ بان کے رہ جائے"۔ حضرت ابوبکرؓ نے غایت تدبر سے ان تمام مشکلات کا صحیح اندازہ لگایا اور اس کی کامل تدبیر فرمائی اور یہی ایک مدبر کا کمال ہے۔

دیکھو خلافت کے دسویں دن جو قاصد ارتداد کی خبریں لیکر مدینہ طیبہ میں آئے ان سے حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ "صبر کرو اسکے بعد جو خط آئیں گے ان میں اس سے زیادہ سخت خبریں ہوں گی"۔ مسلمانوں کو قیصر وکسریٰ کے شر سے محفوظ رکھنے کا یہ اہتمام تھا کہ فتنۂ ارتداد سے فارغ ہوتے ہی اُن کی جانب ہمہ تن متوجہ ہو گئے۔ اس زمانہ میں ایک صحابی نے اپنے قبیلہ کے ایک معاملہ کی جانب ان کی توجہ دلائی تو غصہ ہو کر فرمایا کہ میں تو ان دو شیروں کے زیر کرنے کی فکر میں ہوں جو مسلمانوں کی تاک میں ہیں اور تم میری توجہ معمولی کاموں کی طرف مائل کرتے ہو۔ خلافتِ صدیقی کا زمانہ

صرف سوا دو سال ہے اسی قلیل عرصے میں ارتداد کا وہ فتنہ فرو کیا جاتا ہے جسکی آگ یمن سے لیکر نواحِ مدینہ تک مشتعل تھی۔ اسی حالت پر غور کرو کہ یمن سے لیکر مدینۂ طیبہ تک مرتدوں کے لشکر پڑے ہوئے تھے خود مدینۂ طیبہ مرتدوں کے نرغہ میں ہے۔ اس ہنگامہ میں قوت کے ساتھ مرتدین خلیفۂ رسول اللہ کو یہ پیام دیتے ہیں کہ ہم سے نماز پڑھوالو مگر زکوٰۃ معاف کردو۔ گویا بنیادِ اسلام کا ایک پایا ڈھادینا چاہتے ہیں۔ اس طرف یہ حالت ہے کہ مسلمانوں کا چیدہ لشکر حضرت اسامہؓ کی سرداری میں رومیوں کے مقابلہ میں روانہ ہو جاتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ صحابۂ کرام سے مشورہ کرتے ہیں جن میں فاروقِ اعظمؓ بھی شریک ہیں سب کی رائے ہوتی ہے کہ نرمی مناسب وقت ہے۔ حضرت عمرؓ کے یہ الفاظ تھے: "یاخلیفۃ رسول اللہ تالف الناس وارفق بھم" (یعنی اے خلیفۂ رسول اللہ ان لوگوں کے ساتھ تالیف قلوب اور نرمی کا برتاؤ کیجئے) اس مشورہ کو سن کر حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

اجبارٌ فی الجاھلیۃ وخوّارٌ فی الاسلام انّہٗ قد انقطع الوحی وتم الدین اینقص وانا حیٌّ۔ واللہ لاجاھدنھم ولو منعونی عقالا۔

یہ کیا کہ تم جاہلیت میں تو بڑے سرکش تھے مسلمان ہو کر ذلیل و خوار ہو گئے وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور دین کمال کو پہنچ گیا کیا میری حیات میں اسکی قطع وبرید کی جائیگی۔ واللہ اگر لوگ رسی کا ٹکڑا بھی (فرض زکوٰۃ میں) دینے سے انکار کرینگے تو میں ان پر جہاد کروں گا۔

یہ فرما کر مرتدوں کے ایلچی اسی جواب کے ساتھ واپس کر دیئے جاتے ہیں۔ ان کے جانیکے بعد باوجود ظاہری بے سروسامانی کے مدینہ منورہ کی حفاظت فرمائی جاتی ہے اور حملہ آوروں کے حملے نہ صرف روکے جاتے ہیں بلکہ ان پر حملہ کر کے شکست دی جاتی

ہے اور سیلاب ارتداد کے فرد کرنے کی قوت کیساتھ تدبیر کی جاتی ہے جسکا نتیجہ یہ ہُوا کہ ۱۱ھ کے ختم تک یعنی نوماہ میں یہ ہنگامہ فرو ہوگیا اور اس قوت کے ساتھ کہ پھر آج تک نہیں برپا ہوا۔ ۱۲ھ میں کسریٰ کی قوت کا کسر وانکسار شروع ہُوا اور اختتام سنہ مذکورہ سے قبل مجوزہ مہم عراق ختم ہوگئی! اسکے ختم ہوتے ہی قیصر کی نوبت آئی! اسلام کے لشکر شام پر بڑھے اور معرکۂ یرموک کے سر ہونے سے رُومیوں کو قوتِ اسلام کا اندازہ ہوگیا۔ اسی واسطے خطبۂ وفات میں حضرت شیرِ خدا نے فرمایا تھا "ان اوصاف وفضائل کی قوت سے تم نے باطل کو اکھیڑ کر پھینک دیا۔ اسکے بعد راستہ صاف تھا مشکل آسان تھی اور فتنہ وفساد کی آگ سرد" جنگی معرکوں کے ساتھ ملکی انتظام بھی تھے۔ عراق فتح بھی ہوا۔ اس میں خراج کا بندوبست بھی ہوا اور خراج وصول ہوکر اسلام کے مقاصد کی تکمیل میں صرف بھی ہونے لگا۔ لشکر کو یہ ہدایتیں تھیں۔ خیانت نہ کرنا۔ دھوکا نہ دینا۔ سردار کی نافرمانی نہ کرنا۔ کسی شخص کے اعضاء نہ کاٹنا۔ کسی بچے بوڑھے یا عورت کو قتل نہ کرنا۔ کھجور اور میوہ دار درخت نہ کاٹنا نہ جلانا۔ اونٹ بکری یا گائے کو سوا غذا کی ضرورت کے نہ مارنا۔ عیسائیوں کے گوشہ گیر اہلِ عبادت کو نہ ستانا۔ نعمتیں کھا کر خدا کو نہ بھول جانا۔" دیکھو عین معرکہ کارزار میں دین واخلاق کا سبق یاد رکھنے کی تاکید ہے۔ رحم وکرم کا دائرہ انسان، حیوان، نباتات سب کیلیے وسیع ہے۔ ابن اثیر نے (جنگی وفات ۶۳۵ھ میں ہے) لکھا ہے "خلافتِ صدیقی کے احکام بالا آج تک مسلمانوں کے لشکر کے دستور العمل ہیں"۔ یورپ کی حالیہ جنگِ عظیم کے ہولناک مناظر دیکھ کر قدرتی طور پر یہ تمنا قلبِ سلیم میں پیدا ہوتی ہے کہ کاش! تعلیم صدیقی کا فیض مغرور یورپ نے حاصل کرلیا ہوتا تو بنی نوع انسان پر یہ مصیبت نازل نہ ہوتی۔

اس موقع پر ذرا شانِ صدیقی کا مرقع دل کی نگاہ کے سامنے لے آؤ۔ مسیلمۂ کذاب سے معرکہ ہے۔ روم وایران کے شیروں سے مقابلہ ہے محلّہ کی لڑکیوں کی فرمائش سے بکریاں دوہی جارہی ہیں۔ راستہ میں بچے بابا بابا! کہہ کر لپٹ رہے ہیں۔ نواحِ مدینہ میں ایک اپاہج اندھی بُڑھیا کی خدمت اس اہتمام سے ہورہی ہے کہ حضرت عمرؓ بھی سبقت نہیں لیجاسکے۔ کاندھے پر کپڑے کی گٹھڑی ہے اور مدینہ کے بازار میں خرید وفروخت کرکے اہل وعیال کی روزی کا سامان کرتے ہیں۔ مدینہ پر حملہ ہوتا ہے تو لشکر کی کمان بھی کرتے ہیں میدانِ جنگ کا پُورا خاکہ تیار کرکے ایران لشکر کے حوالے فرماتے ہیں۔ عراق کی مہم میں بھی یہ اہتمام ہے کہ ملک کی آبادی میں فرق نہ آئے۔ زراعت واہلِ زراعت تباہ نہ ہوں بندوبست اراضی کی ہدایتیں جاری ہوتی ہیں، کلام مجید اور حدیث کی خدمت ہورہی ہے۔ فقہ کے اصول مرتب ہوتے ہیں۔ دین کے مشکل مسئلے حل کئے جاتے ہیں۔ ذکر کی تلقین ہوتی ہے۔ غرض ایک ہی وقت میں بادشاہ اور درویش، مفسر، محدث، فقیہ، اولوالعزم اور مسکین، سپہ سالار اور مالیات کے حاکم۔ تاجر سب کچھ ہیں اور جب دنیا سے جاتے ہیں تو دنیا سے بالکل پاک صاف۔ نہ ملک ورثاء کے لیے چھوڑتے ہیں نہ روپیہ نہ جائداد۔ پُرانی چادریں دھوئی جاتی ہیں اور خلیفۂ رسول اللہ ان میں دفنا دیئے جاتے ہیں۔ دیکھو یہ سب کچھ محض اللہ اور اُسکے رسول کی رضامندی کے لیے ہے۔

علمی خدمات

قرآن مجید بہ شکل کتاب ایک جا لکھوا کر محفوظ فرمادیا اور اسکا نام مصحف رکھا۔ معانی کلام مجید کے متعلق جو مشکلات پیش آئیں ان کو حل کیا۔ حدیث کی روایت کی۔ زکوٰۃ کی مقادیر کی بابت سب سے زیادہ معتبر روایات حضرت صدیقؓ کی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس دیگر امہات مسائل میں حضرت ابوبکرؓ کی روایتیں سند ہیں۔

فقہ میں قاعدہ اجتہاد مقرر کیا جو سارے مجتہدوں کا دستور العمل بنا۔ مشکل مسائل فقہ کو حل کیا۔ تعبیرِ رویا میں اُن کی شانِ جلالت مسلّم ہے۔

تصوف میں ذکر کلمۂ طیبہ کا طریقہ سب سے اول تلقین کیا۔ کشف المحجوب میں حضرت صدیق اکبرؓ کو امام تصوف لکھا ہے۔ طریقہ نقشبندیہ کا طریقہ بواسطہ حضرت امام جعفر صادقؒ حضرت صدیقؓ تک پہنچتا ہے۔ اہلِ معرفت کا قول ہے کہ نسبتِ صدیقی نسبتِ ابراہیمی تھی۔ اسی لیے غلبۂ توحید علیٰ وجہ الکمال تھا۔ کلام مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لقب "اوّاہ منیب" ہیں یعنی دردمند اور اللہ پاک کی طرف رجوع کرنے والے۔ صحابۂ کرام میں حضرت ابوبکرؓ کا لقب "اوّاہ" (دردمند) تھا۔ یہ بھی نسبتِ ابراہیمی کا اثر تھا۔ حضرت سرورِ عالمؐ کے ساتھ مرتبۂ ضمنیت کبریٰ حاصل تھا۔ لہٰذا کمالات آنحضرتؐ کا مظہر اتم حضرت ابوبکرؓ تھے۔ شاہ ولی صاحبؒ نے لکھا ہے حضرت صدیقؓ کے قلب پر شعاع غیبی کا ظہور تھا جو لطیفۂ قلبیہ سے ہوتا تھا۔ لہٰذا حقیقتِ حال بصورتِ عزیمت ظاہر ہوتی نہ بہ رنگِ تخیل۔ حدیث "ما صب اللّٰہ فی صدری شیئًا الا صببتہ فی صدر ابی بکر۔ (یعنی جو کچھ اللہ نے میرے سینے میں ڈالا میں نے ابوبکر کے سینہ میں ڈال دیا) اس مرتبہ پر شاہد ہے۔

واقعۂ وفات پر غور کیجئے۔ ایک انسان کی اصل حالت کا معیار غالباً اس زمانہ سے بڑھ کر دوسرا نہیں ہو سکتا جو موت کے قریب ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ جسمانی حیثیت سے کبھی قوی نہ تھے۔ اس ضعف کے ساتھ ۶۳ برس کی عمر میں علیل ہوتے ہیں، پندرہ روز بخار آتا ہے۔ انتہا یہ کہ مسجد جانیکی قوت نہ رہی حالانکہ گھر کی کھڑکی مسجد میں تھی۔ اس سے تم جسمانی ضعف کا اندازہ کر سکتے ہو۔

اس شدّتِ ضعف و مرض میں عزیمت کا کیا حال ہے۔ بعض ہمدرد طبیب کے بلانے کا مشورہ دیتے ہیں تو فرماتے ہیں طبیب دیکھ چکے۔ استفسار کرتے ہیں۔ دیکھ کر کیا کہا۔ فرماتے ہیں یہ کہا ہے؟

"انی فعّال لما ارید" (یعنی میں جو ارادہ کرتا ہوں کر ڈالتا ہوں)

دیکھو حضرت صدیقؓ کی نبض کس کے ہاتھ میں تھی۔ یہ تسلیم و رضا کا بہترین سبق ہے۔ ایامِ مرض اس گھر میں بسر کرتے ہیں جو دربارِ نبویؐ سے مرحمت ہوا تھا۔ جب مرض نے زیادہ زور پکڑا تو جانشین کی فکر ہوئی۔ سوچا۔ مشورہ کیا۔ بالآخر حضرت فاروقِ اعظم کو منتخب فرمایا۔ اس انتخاب پر ان فیوض و برکات نے آفرین کہی جو عالم پر دورِ فاروقیؓ میں عدلِ فاروقی سے نازل ہوئے۔ منشاءِ انتخاب کیا تھا؟ وہ بھی سن لو۔ جب ایک شخص نے حضرت عمرؓ کو سخت مزاج خیال کر کے اعتراض کیا تو نہایت جوشِ صداقت کے ساتھ جواب دیا:

ابا اللّٰہ تخوفنی اذا لقیت اللّٰہ قلت استخلفت علی اہلک خیر اہلک ۔	کیا تم مجھکو خدا سے ڈراتے ہو، میں جس وقت اللہ کے روبرو جاؤنگا تو کہوں گا کہ میں تیری مخلوق پر سب سے بہتر آدمی کو اپنا جانشین مقرر کر کے آیا ہوں ۔

اس کی تشریح اُس دعا کے الفاظ میں بھی ہے جو حضرت عمرؓ کے حق میں بعد وصیت فرمائی ۔

اللّٰھم انی لم ارد بذالک الا اصلاحھم وخفت علیھم الفتنۃ فعملت فیھم بما انت اعلم	اے اللہ میں نے یہ انتخاب صرف مسلمانوں کی بہتری کے ارادے سے کیا ہے اور اس اندیشہ سے کہ ان میں فساد نہ ہو میں نے وہ عمل کیا ہے جسکو تو بہتر جانتا ہے۔

واجتهدت لهم رأيا ولّيت عليهم خيرهم واقويهم واحرصهم على ما ارشدهم.

میں نے خوب غور وفکر کے بعد بہترین اور قوی ترین شخص کو ولی عہد کیا ہے جو سب سے زیادہ مسلمانوں کی راست روی کا خواہشمند ہے۔

عین وفات کے قریب حضرت مثنیٰؓ عراق سے فوجی کمک حاصل کرنے مدینہ آتے ہیں تو خلیفہ کو بسترِ وفات پر پاتے ہیں اس پر بھی حضرت ابوبکر ان سے مفصل حالات سنتے ہیں اور حضرت عمر کو بلا کر فرماتے ہیں۔

" جو میں کہتا ہوں اس کو سنو اور عمل کرو۔ مجھکو توقع ہے کہ آج میری زندگی ختم ہو جائیگی۔ دن میں میرا دم نکلے تو شام سے پہلے اور رات میں نکلے تو صبح ہوتے ہوتے مسلمانوں کو ترغیب دیکر مثنیٰؓ کی مدد پر آمادہ کرنا، کسی مصیبت کی وجہ سے دین کی خدمت اور حکم ربانی کی تعمیل سے نہ رکنا چاہیئے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رحلت سے بڑھ کر کیا مصیبت ہو سکتی ہے؟ تم نے دیکھا ہے کہ اس روز میں نے کیا کیا تھا۔ قسم ہے رب کی اگر میں اُس روز حکمِ الٰہی کی بجا آوری میں کوتاہی کرتا تو اللہ ہم کو تباہ کر کے سزا دیتا اور مدینہ میں آگ بھڑک اُٹھتی۔ اگر خداوند تعالےٰ شام میں مسلمانوں کو فتح دے تو خالد کے لشکر کو عراق بھیج دینا۔ اس لیے کہ وہ کار آمودہ اور وہاں کے حالات سے واقف ہیں"۔

اسی دوران مرض میں یہ محاسبہ ہوتا ہے کہ بیت المال سے وظیفہ کیا ملا۔ ظاہر ہے کہ جو کچھ ملا واجبی ملا، حق المحنت تھا جو صحابہ کرام کی تجویز سے ملا۔ تاہم صفائی محاسبہ پیشِ نظر تھی اس لیے اپنی ایک جائداد فروخت کرا کر کل رقم بیت المال کی بے باق کردی۔ بعد بیعت کے جو اضافہ مال میں ہوا تھا یعنی ایک حبشی غلام

جو بچوں کو کھلاتا تھا اسی کے ساتھ مسلمانوں کی تلواروں پر صیقل کرتا تھا۔ ایک چادر سوا روپیہ قیمت کی اور ایک اونٹنی (جس پر پانی آتا تھا) اس کی نسبت حکم ہوا کہ بعد وفات سب چیزیں خلیفہ کے پاس پہنچا دی جائیں۔ جب اس حکم کی تعمیل ہوئی تو حضرت عمرؓ روئے اور فرمایا:

"اے ابوبکرؓ تم اپنے جانشینوں کے لیے کام بہت سخت کر گئے"۔

اتباعِ سنت دیکھو۔

قریب وفات حضرت عائشہ سے پوچھا کہ حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو کتنے پارچہ کا کفن دیا گیا۔

کہا۔ تین پارچہ کا۔

فرمایا۔ میرے کفن میں بھی تین ہی کپڑے ہوں۔ دو یہ چادریں جو میرے بدن پر ہیں دھولی جائیں ایک چادر نئی لی جائے (مسلمانو! تمہارے خلیفہ کے توشہ خانہ میں صرف دو چادریں تھیں۔)

ایثار ملاحظہ ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے یہ سُن کر کہا کہ "ہم ایسے تنگدست نہیں کہ نیا کپڑا نہ خرید سکیں"۔

فرمایا "جانِ پدر! نئے کپڑے مُردوں سے زیادہ زندوں کے لیے موزوں ہیں۔ کفن تو پیپ اور لہو کے واسطے ہے"۔

قدرتی اتباعِ سنت دیکھیے۔

انتقال کے روز فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کس دن رحلت

فرمائی۔ لوگوں نے کہا دوشنبہ کو۔ فرمایا۔ مجھے امید ہے کہ میری موت بھی آج ہی ہو گی (یہ دوشنبہ کا دن تھا) سنو۔ ادبِ محبوب۔ عین سکرات کے وقت جب دم سینہ میں آ چکا تھا۔ حضرت عائشہؓ نے حسرت سے یہ شعر پڑھا ؎

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ	وہ نورانی صورت جس کی تازگی سے ابر سیراب ہو
ربیع الیتامیٰ عصمۃ للا رامل	یتیموں کی پناہ، بیواؤں کی محافظ۔

سُن کر آنکھیں کھول دیں اور کہا:

"یہ شان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تھی ابوبکر اسکا مستحق نہیں"۔ رضی اللہ عنہ۔

خدارا ان واقعات پر غور کرو اور کہو کہ حضرت صدیق کے دل میں سوائے اللہ اور اس کے رسول کے کسی کی بھی محبت تھی؟ واللہ نہ تھی۔ ہرگز نہ تھی ؎

بہ پردہائے دل و چشم من نہاں حسرت
من و خدائے کہ جز جلوۂ نگارم نیست

رضی اللہ عنہ۔ وجزاہ عنا خیر الجزاء۔ واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

❖

محمد حبیب الرحمٰن خاں شروانی

ربیع الاوّل ۱۳۳۹ھ